بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام دین فطرت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام دین فطرت

تالیف:

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب
مہتمم وشیخ الحدیث
جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد
وخلیفہ مجاز: عارف باللہ حضرت مولانا
شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم
Mob`ile: **09412866177**

ناشر:
مرکز الکوثر التعلیمی والخیری
مرادآباد

اشاعت کی عام اجازت ہے۔

تفصیلات

نام کتاب	:	اسلام دین فطرت
تالیف	:	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد
طبع اول	:	ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق مارچ ۲۰۰۸ء
طبع دوم	:	جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ مطابق فروری ۲۰۱۷ء
کمپوزنگ	:	محمد شعیب قاسمی سیتاپوری
صفحات	:	
باہتمام	:	**مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد**
ناشر	:	فرید بک ڈپو دہلی
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد یوپی

فرید بک ڈپو دہلی

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

مکتبہ الفرقان لکھنؤ

اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی

مرکز دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی یوپی

مولانا عبدالسلام خان قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار ممبئی

بسم الله الرحمن الرحيم

فأقم وجهک للدين حنيفاً، فطرة الله التی فطر الناس عليها، لاتبديل لخلق الله، ذلک الدين القيم، ولکن أکثر الناس لايعلمون. (الروم/ ۳۰)

آپ یکسو ہوکر اپنا رخ اس دین کی طرف جمادیجئے، اس فطرت کی پیروی کیجئے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ارشاد نبوی ہے:

إن ربی يقول: خلقت عبادی حنفاء کلهم، وإنهم أتتهم الشيطان، فأضلتهم عن دينهم.

میرا رب فرماتا ہے: میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف (دین فطرت اسلام پر) پیدا کیا تھا، پھر شیاطین نے آکر انہیں ان کے دین سے گمراہ کردیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵/ ۳۵۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مندرجات

پیشِ گفتار

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

زیرِ نظر کتاب ''اسلام دین فطرت'' اسلام کے امتیازات اور انسانیت نواز تعلیمات کو اُجاگر کرنے کی ایک طائرانہ کوشش ہے، موجودہ میڈیائی پروپیگنڈے کے دور میں ایسی تحریروں کی ضرورت بیحد بڑھ جاتی ہے، جن میں اسلام کی امن پسندی، انسانیت نوازی، جامعیت اور حقیقت پسندی کے پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے۔

راقم نے اس کتاب میں اسلام کی جامعیت، واقعیت، حقیقت پسندی، ربانیت، امن وسلامتی، انسانیت نوازی، اخوت ووحدت، مساوات واجتماعیت، جیسے متعدد اہم گوشوں سے بحث کی ہے۔

اس کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ یہ کتاب اِس موضوع کی جملہ تفصیلات کا احاطہ نہیں کرتی، نہ اتنے اختصار کے ساتھ یہ ممکن ہے، تاہم ضروری اور بنیادی چیزیں قیدِ تحریر میں آگئی ہیں، اور بحالت موجودہ اتنی باتیں بھی افادیت سے خالی نہیں ہیں۔

خداوند قدوس اسے نافع بنائے اور مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

محمد اسجد قاسمی، ندوی

خادم الحدیث النبوی الشریف جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

یکم ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

اسلام کی جامعیت

زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس میں اسلام کی رہنمائی خلقِ خدا کو نہ ملتی ہو، عقائد، عبادات، معاملات، سیاسیات واقتصادیات، اجتماعیات وعمرانیات اخلاقیات ومعادیات ہر شعبۂ زندگی میں اسلام کا اپنا مکمل مستقل اور جامع نظام موجود ہے، روحانی پہلو کو دیکھا جائے تو اس کے لئے اسلام میں ایسی عبادتیں مشروع کردی گئی ہیں جو انسان کی روح کو پاک صاف اور قلب کو مزکیّٰ کرتی ہیں اور انسان کا ربط اللہ سے مضبوط کرتی ہیں، لیکن اس کے ساتھ انسان کے مادّی اور جسمانی پہلو کو اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے، چنانچہ جسم کی صحت اور توانائی، نظافت اور صفائی، اور خوراک و پوشاک کے ذریعہ اسے متوازن اور خوبصورت رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، عبادت کی ادائیگی کو مقدرت ووسعت سے زیادہ لازم نہیں کیا گیا ہے، بلکہ قرآن اصول بیان کرتا ہے:

لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا. (البقرة/٢٨٦)

اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

اور قرآن فرماتا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (التغابن/١٦)

جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور حتی المقدور خوف الٰہی کو حق تقویٰ سے تعبیر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ. (آل عمران/١٠٢)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔

تو بقدر وسعت عبادت انجام دینے کا حکم بندگان خدا کے جسمانی پہلو کو پیش نظر رکھ کر ہی دیا گیا ہے، اسی طرح صحت جسمانی کو نقصان پہونچانے والی ہر چیز کا استعمال حرام قرار دیا گیا ہے، شراب، افیون، خنزیر اور دیگر جانوروں کی حرمت اسی لئے ہے، دوسرے کو زخم پہونچانا یا مارنا اور قتل کرنا اسی لئے حرام اور کبیرہ گناہ ہے کہ اس سے جسم انسانی کو گزند پہونچتا ہے۔

روحانی اور جسمانی پہلوؤں پر توجہ کے ساتھ ہی اسلام نے خاندانی، معاشرتی اور اجتماعی پہلو کی بھی خوب رعایت رکھی ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، اور حسن اخلاق کی تعلیم اسی کے پیش نظر دی گئی ہے، باہمی محبت ورحمت، شفقت ورأفت، ایثار وغم گساری، تعاونِ باہمی، سچائی، امانت داری، خیر خواہی اور وفا شعاری کے احکام کا اصل منشأ معاشرتی واخلاقی نظام کا استحکام ودوام ہے، حکمرانوں اور رعایا کے مابین تعلق مستحکم ہونا ضروری ہے اسی لئے اچھے اور جائز امور میں حکمراں کی اطاعت رعایا پر ضروری قرار دی گئی ہے اور حکمرانوں کو امانت داری، احساس ذمہ داری، عدل ومساوات اور مصالح امت کے ہمہ وقت پاس ولحاظ کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں وفائے عہد کی جابجا تلقین ملتی ہے، غیر مسلموں کے ساتھ بھی وفائے عہد کا حکم ہے، فرمایا گیا:

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئاً، وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحداً، فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ. (التوبة/٤)

مگر وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدے کئے پھر انھوں نے اپنے عہد کی

تکمیل میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی، تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مدتِ معاہدہ تک وفا کرو، کیونکہ اللہ خدا ترسوں کو ہی پسند کرتا ہے۔

امت اسلامیہ کی پوری تاریخ وفائے عہد کی زریں اور تاباں تاریخ ہے، سچا مسلمان پورے اعتدال کے ساتھ کسی افراط وغلو، تعصب وتشدد، تفریط وغفلت، لاپرواہی اور کمی کے بغیر اسلام کے تمام نظاموں اور شعبوں سے آراستہ رہتا ہے، وہ روحانی، جسمانی، اجتماعی، اخلاقی کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتا۔

ایسا بھی نہیں ہوتا کہ وہ مسجد میں خلوت نشین ہوجائے اور کسب معاش، اہل وعیال کے مصارف اور گھر کے خرچ سے بالکل غافل ہوجائے، بلکہ وہ دنیا ودین کا توازن بحسن وخوبی برقرار رکھتا ہے، وہ زاہدِ شب زندہ دار ہونے کے ساتھ ہی دن کا شہ سوار بھی ہوتا ہے، وہ بقدر ضرورت دنیا کماتا ہے مگر اس کا دل اللہ میں اٹکا رہتا ہے، دنیاوی ہنگامے اسے دین سے غافل نہیں کرتے، جسمانی تقاضے اسے روحانی تقاضوں سے بے پروا نہیں بنا پاتے، انفرادی مسائل اسے اجتماعی مصالح سے بیگانہ نہیں کرپاتے، وہ ہر پہلو میں مسلمان ہوتا ہے اور ہر ایک کا اعتدال کے ساتھ حق ادا کرتا ہے۔

صحابۂ کرام کے روز وشب کے معمولات کا ذکر ادیبانہ پیرایۂ بیان میں کرتے ہوئے عربی کا ایک ادیب مؤرخ لکھتا ہے جس کی ترجمانی یوں ہے:

> دن روشن ہوچکا ہے، لوگ مسجد نبوی سے سکون ووقار کے ساتھ واپس ہورہے ہیں، اب بازار میں دکان کھل رہی ہے، کھیت میں ہل چل رہا ہے، کھجوروں کا باغ سینچا جارہا ہے، مزدور اجرت پر باغ میں مصروف عمل ہے، کسب حلال اور طلب رضائے الٰہی کے فضائل کی وجہ سے تمام لوگ اپنے کاموں میں

ہمہ تن منہمک ہیں، ہاتھ مصروف عمل ہیں، زبانیں ذکر الٰہی سے معمور وتر ہیں، دل طلب رضائے الٰہی کے جذبہ سے لبریز ہیں، قلب اللہ کی طرف اور قالب کام کی طرف متوجہ ہے۔

اتنے میں اذان ہوتی ہے، منظر بدلتا ہے، اب کاموں میں ہمہ تن منہمک افراد یک لخت کام چھوڑ کر اس طرح مسجد کی طرف چل دیتے ہیں جیسے کام سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو، نماز کے بعد پھر کام شروع ہوتا ہے، جب سورج مائل بہ غروب ہوتا ہے تو لوگ گھروں کو لوٹتے ہیں، اب اجر وثواب ہی کی نیت سے اہل خانہ سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، نرمی سے بات کرتے ہیں، محبت کا معاملہ کرتے ہیں، عشاء کی نماز کے بعد محوِ خواب ہوجاتے ہیں، پھر رات کے پچھلے پہر اٹھ کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوجاتے ہیں، دلوں میں خوف الٰہی کی وجہ سے لرزہ طاری رہتا ہے۔

پھر فجر کی نماز کے بعد اپنے کاموں میں اُسی قوت اور نشاط سے لگ جاتے ہیں جیسے گذشتہ دن تھکے ہی نہ ہوں اور گذشتہ رات جگے ہی نہ ہوں، مسجد نبوی میں میں ذکر وعلم کے حلقے جابجا نظر آتے ہیں، یہ وہ کسان ہے جو دن میں کھیت میں کام کررہا تھا، یہ مزدور ہے جو کنویں سے ڈول کے ذریعہ پانی نکال کر باغ کو سینچ رہا تھا، یہ تاجر ہے جو مدینہ کی منڈی میں مال فروخت کررہا تھا، یہ کاریگر ہے جو اپنے کام میں لگا ہوا تھا، یہ سب اب طالب علم ہیں۔

دن بھر کی مصروفیات کے بعد آرام کی ضرورت کے باوجود ان کا آرام قربان کردینا اور اہل وعیال سے ملاقات کے اشتیاق کے باوجود انہیں چھوڑ کر علم وذکر کے حلقوں میں شریک ہونا صرف اسی لئے ہے کہ انہوں نے یہ سن رکھا ہے کہ طالب علم کے جذبۂ طلب علم

سے خوش ہو کر فرشتے پَر بچھا دیتے ہیں، اور اللہ کے ذکر میں مشغول افراد کو ملائکہ گھیر لیتے ہیں، رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے، سکینت کا نزول ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کا ذکر اللہ اپنے مقرب فرشتوں سے کرتا ہے۔

مدینہ کا ہر فرد حلال وحرام اور اپنی زندگی، مشغلے اور کام سے متعلق احکام کا علم رکھتا ہے، قرآن ہر ایک کو اتنا ضرور یاد ہے جس کی قرأت نماز میں ہو سکے، ہر شخص مسلسل طلب علم میں لگا رہتا ہے، اور روز آنہ اس کی دینی سوجھ بوجھ، مذہبی استحکام، شوقِ آخرت، رغبتِ عمل وثواب میں اضافہ ہی ہوتا ہے، وہ مسائل سے زیادہ فضائل اور فروع سے زیادہ اصول سے واقف ہے، وہ سب سے نیک دل اور وسیع العلم ہے، وہ بیک وقت طالب علم بھی ہے اور استاذ بھی، ایک جگہ سے سیکھتا اور لیتا ہے، اور دوسری جگہ پہونچاتا اور سکھاتا ہے۔

کیا اِس مدرسۂ نبوت سے زیادہ وسیع کوئی مدرسہ تاریخ کے علم میں ہے جس میں تاجر، کاشتکار، باغبان، مالی، مزدور، کاریگر، پیشہ ور، نوجوان، ادھیڑ، بوڑھا سب بیک وقت اور بہمہ توجہ زیرِ تعلیم ہوں، کان سنیں، آنکھیں دیکھیں، دل محسوس کریں، عقلیں سوچیں اور اعضاء مصروف عمل ہوں۔

یہ صحابہ کا امتیاز ہے کہ انھوں نے معاشرت میں معاشرت کے احکام، اجتماعیت میں اجتماعیت اور انفرادیت میں انفرادیت کے احکام، خلوت میں خلوت اور جلوت میں جلوت کے احکام، تجارت میں تجارت اور معاملات میں معاملات کے احکام اور سیاست میں سیاست کے احکام جان لئے، چنانچہ انھوں نے جلوتوں، اجتماعات، شور وہنگاموں اور فتنہ وفساد ہر ماحول میں اپنے دین، اپنی نیتوں اور خشوع وخضوع اور خلوص کی حفاظت کی، پھر جب وہ زندگی کے میدان میں گھسے تو غالب ہی رہے، مغلوب نہیں ہوئے، مسجد سے باہر نکل کر بھی وہ گویا مسجد میں ہوتے تھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی جیسے وہ نماز ہی میں

ہوتے تھے، وہ وعدے کے پکے اور بات کے سچے تھے، چاہے مسجد میں ہوں یا بازار میں، حضر میں ہوں یا سفر میں، دوست کے ساتھ ہوں یا دشمن کے، ان کا یہی رویہ رہتا تھا۔

پھر جب جہاد کا منادی پکارتا ہے تو یہ منظر سامنے آتا ہے کہ تاجر اپنی دکان بند کرکے، کاشتکار اپنا ہل پھینک کر اور کاریگر اپنے اوزار رکھ کر اور مزدور اپنے ڈول کی رسی چھوڑ کر بے چون وچرا جہاد میں نکل پڑتے ہیں، پھر وہ ملکوں ملکوں سفر کرتے ہیں، اونٹوں کی پشتوں پر سوار وہ چلتے رہتے ہیں، کثرت سفر سے ایسا لگتا ہے جیسے اونٹوں کی پشتوں پر وہ پیدا ہی ہوئے ہیں، وہ روز وشب دعوت دین کا کام انجام دیتے رہتے ہیں، جہاں جاتے اور فروکش ہوتے ہیں چلتے پھرتے مدرسے ہوتے ہیں، اس طرح وہ دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اور مشرق سے تا بمغرب دین حق کی روشنی پھیلا دیتے ہیں اور حق کی صدا لگا دیتے ہیں۔

(إلى ممثلي البلاد الإسلامية (مختصراً مع ترجمہ) از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

گویا بقول شاعر ؎

مشرق سے تا بمغرب گونجی اذاں ہماری
رکتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

صحابہ کے اس ذکر جمیل سے اسلام کی جامعیت اور کاملیت کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

عقیدۂ توحید

اسلام کا سب سے پہلا، بنیادی اور نمایاں امتیاز عقیدۂ توحید ہے، اسلام یہ تصور پیش کرتا ہے کہ خدائے واحد ہی اس کائنات کا خالق و مالک اور مقتدر اعلیٰ ہے، وہی مدبر کائنات اور فاطر ہستی ہے، وہ یکتا و بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اس کا کوئی مماثل اور مشابہ اور ہمسر و برابر نہیں ہے:

اَللّٰهُ لاَ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لاَ تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلاَ نَوْمٌ، لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ، مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ، وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ، وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَلاَ يَؤُدُهُ حِفْظُهُمَا، وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ. (البقرة/۲۵۵)

وہ زندۂ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ لگتی ہے، زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے، جو کچھ بندوں کے سامنے ہے، اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے، اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے، بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔

وہ اول بھی ہے اور آخر بھی، ازلی بھی ہے، اور ابدی بھی، ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی ہے، سب اس کے محتاج و تابع فرمان ہیں، وہ سب کا حاجت روا اور حاکم مطلق ہے۔ عقیدۂ توحید کی نعمت امت محمدیہ کو اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملی ہے، اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش، عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے۔ یہ ایسا خالص بے آمیز، سہل الفہم عقیدہ ہے جس نے انسان کی دنیا بدلی ہے، اسے ہر قسم کی غلامی اور عبودیت اور خوف و انتشار سے محفوظ رکھا ہے، پھر یہ عقیدہ اپنے ہر پیرو سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے رب برتر سے اپنا ربط مستحکم کرلے، اپنے تمام معاملات میں اس کے حکم کا تابع بن جائے، ہر مرحلہ پر اسی سے ہدایت طلب کرے، اپنی انفرادی واجتماعی زندگی اسی کی تعلیم کے مطابق گزارے، اسے سب سے زیادہ محبت بھی اللہ ہی سے ہو اور سب سے زیادہ خوف بھی اُسی کا ہو، وہ اس حقیقت پر یقین رکھے کہ اس ناپائیدار عارضی وفانی زندگی میں جس اور جتنے بھی خیر و شر کا صدور اس سے ہوگا سب کا نتیجہ و بدلہ آخرت کا پائیدار اور اصل باقی رہنے والی جاودانی زندگی میں اسے بہرحال مل کر رہے گا۔

جب انسان عقیدۂ توحید اور اس کے مطالبات کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے تو پھر وہ نہ کسی کو حقیر سمجھتا ہے، نہ کسی کی توہین کرتا ہے، کیونکہ وہ ہر ایک کو ایک ہی خدا کی مخلوق اور اپنا مساوی باور کرتا ہے، اس میں رحم دلی، تواضع، عدل و امانت کے تمام اوصاف راسخ ہوجاتے ہیں، وہ اپنی اور پوری امت کی صلاح و فلاح کے لئے کوشاں ہوجاتا ہے، اور اپنی عقل کو اور تمام توانائیوں کو صحیح مصرف میں صرف کرتا ہے، لیکن جب اس عقیدہ کے لحاظ سے انسان میں کمزوری آتی ہے تو پھر وہ ہر قسم کے بگاڑ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اس وقت ہم میں سے اکثر افراد ضعف عقیدہ کا شکار ہیں، وہ نظریاتی طور پر مؤمن ضرور ہیں مگر عملی لحاظ سے وہ کفر و نفاق کی راہ پر چل رہے ہیں، وہ صورتِ ایمان تو رکھتے ہیں

مگر حقیقت ایمان سے محروم ہیں، نظریاتی طور پر خود کو اللہ کا تابعِ فرمان کہتے ہیں، مگر عملی لحاظ سے غیر اللہ کے فرمان کے پیرو بنے ہوئے ہیں، وہ مال وجاہ اور اقتدار و منصب کے حصول کے لیے اللہ کی پیروی چھوڑ بیٹھے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی کمی یہی ہے کہ وہ حقیقتِ دین سے تہی دست ہیں، مسلمانوں کے عروج اور زوال دونوں کا سبب یہی ہے کہ جب تک وہ حقیقت دین کی دولت سے مالا مال رہے وہ سربلند رہے، یہی شرط قرآن نے بھی بیان کی ہے کہ:

وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ.

تم ہی سربلند رہو گے، اگر تم مؤمن کامل ہو گے۔

مگر پھر جب وہ حقیقتِ دین سے محروم ہوئے اور ظواہر اور تصنعات میں مبتلا ہو گئے تو وہ پست و بے حیثیت ہو گئے، حقیقتِ دین سے مالا مال شخص اللہ اور بندوں سب سے تعلق رکھتا ہے اور تعلق کی بنیاد خلوص پر استوار کرتا ہے، جب کہ حقیقت دین سے محروم آدمی مطلب پرستی اور خود غرضی کی بنیادوں پر تعلق استوار کرتا ہے، دوسری کمی یہ ہے کہ عقیدہ عمل سے ہم آہنگ نہیں ہے، اور ضرورت اس کی ہے کہ عقیدہ عمل سے ہم آہنگ ہو، تبھی اس کی کرنیں اپنی روشنی پھیلائیں گی اور اپنی ضیاء پاشیوں سے سب کو منور کر سکیں گی۔

اسلام کا نمایاں امتیاز ہر مسلمان کو ربّانی بنانا ہے

دین اسلام تمام ادیان و مذاہب عالم میں اس لحاظ سے بیحد امتیازی مقام کا حامل ہے کہ یہ ربانی مذہب ہے اور یہ ہر مسلمان کو ربانی بنانا چاہتا ہے اور اس کے ہر حکم میں ربانیت کی روح جلوہ گر نظر آتی ہے، اسلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کا تعلق اللہ سے بہتر اور مضبوط ہو جائے، اور انسان ہمہ وقت اللہ کی رضا جوئی میں منہمک رہے، یہی اس کا مطمحِ نظر اور مقصدِ حیات بن جائے، اسلام کے اور بھی انسانی، اصلاحی اور معاشرتی اہم مقاصد ہیں مگر اصل الاصول اور سب سے بڑا مقصد انسان کو طلب رضائے باری کی مہم میں لگانا اور ربانی بنانا ہے، معاملات کے تعلق سے جو انسانی احکام ہیں ان کا بھی مقصود انسانی زندگی کی تنظیم، ہر طرح کی کشمکش اور بے سکونی سے بچانا اور انسان کو اللہ کی معرفت اور عبادت اور رضا طلبی کے لئے فارغ کرنا ہی ہے، اسلام کے جہادی حکم کا مقصد بھی قرآنی زبان میں ''فتنہ کا سدِّ باب اور دین کو خالص اللہ کے لئے بنانا'' ہے۔ (الانفال/۲۹)

تلاش معاش، طلب رزق، اہتمامِ حلال وطیب کا جو اسلامی حکم ہے اس کا مقصد بھی اللہ کی نعمت کا شکر اور اس کے حق کی ادائیگی ہے، ہر اسلامی حکم و تعلیم - خواہ وہ کسی بھی شعبۂ

حیات سے متعلق ہو- کا مقصد انسان میں عبدیت خالصہ کی روح پیدا کرنا اور ایک اللہ سے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔

عقیدۂ توحید وہ بنیادی اساس ہے جو ہر انسان کو ربانی بنانا چاہتا ہے، اور اس عقیدے کا صاف مطلب و پیغام یہی ہے کہ آدمی اس پر یقین کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہے جس سے مدد طلبی کی جاسکتی ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا، مسلمان اپنی نماز کی ہر رکعت میں روزآنہ کم از کم ۱۷/ بار سورۂ فاتحہ پڑھتا اور

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ.

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

دہراتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا:

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ، دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَاشَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ، قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ.

(الانعام/ ١٦١-١٦٤)

اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے، بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی کجی نہیں، ابراہیم کا طریقہ جسے انہوں نے یکسو ہوکر اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے، آپ کہئے کہ میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں، کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں

حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔

اسلام یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ انسان صرف خورد ونوش اور لہو ولعب کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے، بلکہ قرآن کے بقول انسان اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے ہے، اور انسان اللہ (کی معرفت وعبادت) کے لئے ہے، وہ پوری کائنات کا سردار اور اللہ کا بندہ وغلام ہے، اور یہی اس کے فخر کے لئے بس ہے کہ وہ ربانی (اللہ والا) بن جائے۔

ربانی بن جانے کا پہلا اثر اور ثمرہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اپنا مقصدِ زندگی معلوم ہوجاتا ہے، وہ اس کائنات کی صناعی کی حکمت سے آشکارا ہوجاتا ہے، اسے اپنی زندگی کی اہمیت، قدر وقیمت اور معنویت، اور اس کی لذت ومنزلت کا ادراک ہوجاتا ہے، پھر وہ اپنے کو بے مقصد، بے قیمت اور عبث نہیں سمجھتا، اور اس کے ذہن میں یہ نہیں آتا کہ وہ بے لگام اور کسی حد وقید کا پابند نہیں ہے، بلکہ وہ خود کو اخلاقی حدود وقیود کا پابند سمجھتا ہے، اس کا حال اس عربی شاعر کی طرح نہیں ہوتا جس نے کہا تھا ؎

لَبِسْتُ ثَوْبَ الْعَيْشِ لَمْ أَسْتَشِرْ
وَحِرْتُ فِيهِ بَيْنَ شَتَّىٰ الْفِكَرْ
وَسَوْفَ أَنْضُو الثَّوْبَ عَنِّي، وَلَمْ
أَدْرِ: لِمَاذَا جِئْتُ؟ أَيْنَ الْمَفَرْ

کہ میں نے زندگی کا لباس پہن لیا، مگر میں مختلف افکار وخیالات میں سرگرداں ہوں، عنقریب یہ لباسِ زندگی اتار دوں گا، مگر مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں دنیا میں کیوں آیا ہوں اور مجھے کہاں جانا ہے؟

انسان جب عقیدۂ توحید کو دل کی گہرائی سے مان لیتا ہے تو پھر اپنی اور اس کائنات کی

مقصدیت اس کے سامنے اجاگر ہو جاتی ہے، اور اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا خالق کون ہے؟ وہ کہاں سے آیا ہے؟ کیوں آیا ہے؟ کیا کرنا ہے؟ کہاں جانا ہے؟ اسی عقیدۂ توحید کی تاثیر تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بت پرستوں سے فرمایا تھا:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ، الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ، وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ، وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ، وَالَّذِيْ أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ.

(الشعراء/۷۷-۸۲)

میرے تو یہ سب (بت) دشمن ہیں، بجز ایک رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے، جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا، اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روزِ جزا میں وہ میری خطا معاف کر دے گا۔

ربانی بن جانے کا دوسرا فائدہ اور ثمرہ یہ ہے کہ انسان اس فطرتِ سلیمہ کی طرف راہ یاب ہو جاتا ہے جو اس سے ایمان، اخلاص اور حسنِ عمل کا مطالبہ کرتی ہے، فطرت کی طرف یہ راہ یابی معمولی اور ارزاں چیز نہیں ہے بلکہ بیحد قیمتی اور غیر معمولی دولت ہے، اور اسی سے انسان امن، سکون، بے خوفی اور اطمینان کی لذت پاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ انسانی فطرت کے خلا کو سائنس، علم، کلچر، آرٹ، فلسفہ و منطق سے پُر نہیں کیا جا سکتا۔

یہ خلا صرف تقاضائے فطرت پر عمل کرنے یعنی ایمانِ خالص سے پُر ہو سکتا ہے، جب تک اللہ کی معرفت، اور اس پر ایمان انسان کے دل میں نہیں آتا تب تک اس کی فطرت ایک قسم کی کشمکش، بے چینی اور معنوی بھوک پیاس کی شکار رہتی ہے، فطرت کی تکان کے لئے

راحت، تشنگی کے لئے سیرابی، خوف سے امن، حیرت کے بعد ہدایت، اضطراب کے بعد سکون، قلق و بے چینی کے بعد اطمینان، وحشت کے بعد مانوسیت سب کا ذریعہ صرف اور صرف ایمانِ خالص ہے، اللہ انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، اس پر بھی اگر انسان کو معرفتِ ربانی نہ ملے تو یہ اُس کی شقاوت اور حرماں نصیبی کی انتہا ہے، اللہ سے بے تعلقی، بے ربطی اور غفلت فی الواقع ہر بے سکونی اور بے کیفی اور محرومی کی اساس ہے، قرآن کے مطابق

جو اللہ کو بھول جاتے ہیں، اللہ انہیں خود اپنی ذات بھلا دیتا ہے۔ (الحشر/۱۹)

خدا فراموشی خود فراموشی پر منتج ہوتی ہے، آدمی جب اپنی عبدیت کو فراموش کر دیتا ہے تو اس کی زندگی کی گاڑی غلط سمت میں محوِ سفر ہو جاتی ہے، مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

زندگی کی ساری قدر و قیمت اور اس کا سارا شرف و جمال اس حقیقت کے سمجھنے پر منحصر ہے کہ خالق نے اس کو محض چند روزہ عیشِ دنیا کے لئے نہیں بنایا ہے بلکہ اس لئے بنایا ہے کہ انسان اس کو خدا کے احکام کے تحت گذار کر اپنے کو ابدی بادشاہی کا سزاوار بنائے، یہ معراج ظاہر ہے کہ اُسی کو حاصل ہوگی جو ہمیشہ اس وقت کو یاد رکھے کہ یہ زندگی اس کو اتفاقیہ نہیں مل گئی ہے بلکہ ایک بخشنے والے کی بخشی ہوئی ہے، اور اس نے ایک خاص مقصد سے یہ اس کو بخشی ہے، اگر اس مقصد کے تحت میں اس کو گذاروں گا تب تو یہ عظیم ابدی نعمت ہے، اور اگر اس مقصد کو بھلا بیٹھا تو یہ آپ سے آپ ایک ابدی لعنت بن جائے گی۔ (تدبر قرآن: ۸/ ۳۰۸)

انسان اللہ کی عجیب مخلوق ہے جسے روئے زمین کی ایک مٹھی مٹی اور روحِ الٰہی کی ایک پھونک سے تشکیل دیا گیا ہے، اب جو یہ سمجھتا ہے کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے، لیکن روحانی پہلو نظر انداز کر دیتا ہے وہ انسانی حقیقت سے بے خبر ہے، ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مادّی پہلو کو سامنے رکھ کر مادّی غذا یعنی کھانے پینے پر جو توجہ دیتا ہے، وہی توجہ اپنے روحانی

پہلو کو سامنے رکھ کر روحانی غذا یعنی ایمان و عمل صالح پر مبذول و مرکوز کرے تبھی وہ ربانی بن سکتا ہے۔

امام ابن القیم لکھتے ہیں کہ:

دل کی پراگندگی توجہ الی اللہ سے دور ہوتی ہے، دل کی وحشت اللہ سے اُنس پیدا کرنے سے ختم ہوتی ہے، دل کا رنج وغم معرفتِ ربانی کے سرور سے کافور ہوتا ہے، دل کا قلق واضطراب اللہ کے لئے یکسو ہونے سے زائل ہوتا ہے، دل میں امنڈتی ہوئی حسرتوں کی آگ اللہ کے حکم پر راضی اور اس کے فیصلہ پر مطمئن ہونے اور صبر کے التزام سے بجھتی ہے، دل کی بھوک صرف اللہ کی محبت، اس کی طرف رجوع وانابت، اس کے دائمی ذکر، اس کے لئے اخلاص ہی سے مٹتی ہے۔

(مدارج السالکین)

اسلام کا کام یہ ہے کہ وہ انسانی سلیم فطرت پر حالات، ماحول، رسوم، رواج، تقالید اور سماجی اثرات کی بنیاد پر چھا جانے والے شبہات کے زنگ اور شہوتوں کے غبار اور میل اور گندکو، اسی طرح عجب وکبر، اندھی تقلید، آباء پرستی جیسے رذائل کی غلاظت کو دور کرتا اور چھانٹتا ہے، اسی فطرت کے پیش نظر ہر نبی کی دعوت کا آغاز صدائے توحید سے ہوا ہے۔

ربانی ہونے کا تیسرا ثمرہ اور اثر یہ ہے کہ انسان اندرونی کشمکش اور الجھن سے محفوظ ہوجاتا ہے، اسلام اس کے خیالات وافکار کا رخ طلبِ رضائے الٰہی کی طرف، اور اس کی عملی قوتوں کا رخ عملِ صالح کی طرف موڑ دیتا ہے، اور اسے دورنگی چھوڑ کر یک رنگ بنا دیتا ہے، اور یہی یک رنگی اس کے لئے راحت وسکون کی پیغامبر ثابت ہوتی ہے۔

عقیدۂ توحید کے اعتراف واقرار سے ہر مسلمان کے دل کی گہرائی میں یہ یقین پیوست ہوجاتا ہے کہ اللہ صرف ایک ہے، خوف ورجا سب اسی سے وابستہ ہے، اس کے سوا

کوئی نہ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے یا مرکز امید بنایا جائے، چنانچہ مسلمان ہر مصنوعی خدا اپنے دل سے نکال پھینکتا ہے، اور اپنے دل سے ہر مادّی ومعنوی بت نکال دیتا ہے، اور اس کا رخ خدائے واحد کی طرف یکسو ہو کر مڑ جاتا ہے، پھر وہ اسی پر بھروسہ کرتا ہے، اسی کی طرف رجوع رہتا ہے، اسی کی رضا کا طلب گار اور اسی کی ناراضگی سے خائف رہتا ہے، اسی کی قوت سے مدد طلب کرتا ہے، اسی کو مضبوطی سے تھامتا ہے اور قرآن کے بقول:

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ. (آل عمران/۱۰۱)

جو اللہ کو مضبوطی سے تھام لے، اُسے راہِ راست کی طرف رہنمائی مل جاتی ہے اور وہ ہر طرح سے ربانی بن جاتا ہے۔

جب کہ مشرک و بت پرست انسان الجھنوں اور بے سکونی کی ناقابلِ بیان کیفیات کا شکار رہتا ہے، قرآن توحید وشرک کو ایک واضح اور عام فہم مثال سے یوں سمجھاتا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً رَّجُلاً فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلاً سَلَماً لِّرَجُلٍ، هَل يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً. (الزمر/۲۹)

اللہ ایک مثال دیتا ہے کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کے مالک ہونے میں بہت سے کج خلق آقا شریک ہیں جو اُسے اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسرا شخص پورا کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے، کیا اِن دونوں کا حال یکساں ہوسکتا ہے؟

یعنی جس طرح ایک آقا کی غلامی باعثِ سکون اور بہت سے آقاؤں کی غلامی باعثِ بے سکونی ہے اسی طرح ایک خدا کی بندگی سراسر سکون اور متعدد خداؤں کی پرستش سراسر بے سکونی اور لعنت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں اپنے دو مشرک ساتھیوں سے کہا تھا:

يَا صَاحِبَيِ السِّجۡنِ: أَأَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَيۡرٌ أَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ، مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ إِلاَّ أَسۡمَاءً سَمَّيۡتُمُوۡهَا أَنۡتُمۡ وَآبَاؤُكُمۡ مَا أَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطَانٍ، إِنِ الۡحُكۡمُ إِلاَّ لِلّٰهِ، أَمَرَ أَلاَّ تَعۡبُدُوا إِلاَّ إِيَّاهُ، ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكۡثَرَ النَّاسِ لاَيَعۡلَمُوۡنَ. (یوسف/۳۹-۴۰)

اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اِس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباءواجداد نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی، فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے، اس کا حکم ہے کہ خود اُس کے سوا تم کسی کی بندگی مت کرو، یہی درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

ربانی ہونے کا چوتھا اثر اور ثمرہ یہ ہے کہ انسان انا پرستی، شہوت پرستی، خودغرضی، ذاتی مفادات اور مادّی مقاصد کے لئے دوڑ دھوپ اور کدوکاوش جیسے قبائح سے دامن کش ہوجاتا ہے، انسان جب ایمان کی روح اور لذت پالیتا ہے تو پھر ایک طرف اپنی نفسانی رغبات ومیلانات، اس کے تقاضوں، اس کے نقد ملذات ومنافع کو دیکھتا ہے اور دوسری طرف دینی مطالبات، خداوندی احکامات، عالمِ آخرت کے ابدی منافع ولذائذ کو دیکھتا ہے، وہ دونوں کا موازنہ کرتا ہے، پھر اس کی فطری اور ایمانی عقل اسے دین کو نفس پر ترجیح دینے کا حکم دیتی ہے، چنانچہ وہ شہوت پرستی کے خول سے باہر آجاتا ہے، اور انا پرستی اور خودغرضی کو لات ماردیتا ہے، پھر اگر کبھی نفس کی شہوت زورآور اور سرکش ہوجاتی ہیں اور اس کا قدم بچلا دیتی ہیں تو فوراً اس کے اندر کا ایمانی ضمیر اُسے کچوکے لگاتا ہے اور اسے مخلصانہ توبہ وانابت کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

ربانی انسان معصوم فرشتہ نہیں ہوتا ہے، ربانی انسان قرآن کی زبان میں ﴿اوّاب﴾

ہوتا ہے، یعنی وہ ہمہ وقت اللہ کی طرف رجوع رہتا ہے، خصوصاً جب اس سے کوئی خطا یا قصور سرزد ہو جاتا ہے تو اس کا رجوع الی اللہ بہت بڑھ جاتا ہے، قرآن میں اللہ نے بتایا ہے کہ اللہ کی جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت جیسی ہے، اور یہ جنت اہل تقویٰ کے لئے ہے، اہل تقویٰ کے اوصاف میں ایک وصف یہ بھی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ، وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (آل عمران/۱۳۵)

اگر کبھی کوئی فحش کام اُن سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جس سے وہ اپنے گناہ معاف کرا سکے؟ اور وہ کبھی دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔

اس میں کوئی استعجاب نہیں کہ انسان معصیت کی دلدل میں پھنس جائے، شہوت اور خواہش نفس اس پر غالب آجائے، حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس ملعون نے بہکایا اور ممنوع کا ارتکاب حضرت آدم سے ہو گیا لیکن انہوں نے توبہ کی اور استغفار کی، یہاں تک کہ رحمت ومغفرتِ الٰہی کا دروازہ کھل گیا، لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ حضرت آدم سے قصور ہوا مگر وہ معاف کر دیا گیا، اور ابلیس سے خدا کا حکم نہ ماننے کا قصور ہوا مگر وہ معاف نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم کے قصور کا منشأ انسانی ضعف ونسیان تھا، قرآن کے بقول:

نَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً. (طٰه/۱۱۵)

حضرت آدم بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہ پایا۔

پھر اس قصور کے بعد ان کی طرف سے احساسِ ندامت پایا گیا، انہوں نے رورو کر

توبہ کی، پھراس توبہ نے اپنااثر دکھایا:

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ. (طٰہ/۱۲۲)

پھراُن کے رب نے انہیں برگزیدہ بنایا، ان کی توبہ قبول کی اور انہیں ہدایت بخشی۔

دوسری طرف ابلیس تھا، اس کی نافرمانی کا منشأ اس کا تکبر، اور عناد وتمرد تھا، اُس نے کہا تھا

أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ. (صٓ/۷۶)

میں آدم سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے اور اُسے مٹی سے پیدا کیا ہے (پھر میں اُسے کیسے سجدہ کروں)

اور اس نافرمانی کے بعد بھی بجائے احساسِ ندامت کے اُس کا ضلال واضلال پراصرار اور عناد بڑھتا گیا اور اس نے ہر انسان کو گمراہ کرنے کا عزم اللہ کے سامنے ظاہر کیا، چنانچہ اسے لعنت زدہ اور مردود ورجیم قرار دیا گیا۔

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ حرام شہوتیں انسان پر حملہ آور ہوتی ہیں، اور ایسا موقعہ بھی آتا ہے کہ خلوتیں انسان کو تقاضائے شہوت کی تکمیل کی راہ ہموار کردیتی ہیں مگر انسان کی ربّانیت اُسے بے لگام نہیں ہونے دیتی، اسے اپنے اللہ سے حیا آجاتی ہے، چنانچہ وہ اللہ کی پناہ مانگتا ہے اور گناہ وحرام کی آلودگی سے صاف بچ جاتا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی دعوتِ زنا کے جواب میں حضرت یوسف کا یہی طرزِ عمل رہا، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا سحر طراز قلم اسی کی منظر کشی یوں کرتا ہے:

انسان کے لئے سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہوتی ہے، وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا،

آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، درندوں کے مقابلے سے منہ نہیں موڑتا، تلواروں کے سائے میں کھیلنے لگتا ہے، لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا، لیکن حضرت یوسف کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہوسکی، ان کی بے داغ فضیلت پر نفسِ انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبّہ نہ لگا سکا، تم چشمِ تصور سے کام لو اور دیکھو! ترغیبات کی قہر وسلطانی کا کیا حال تھا اور عیشِ نفس کی یہ دعوت کیسے شکیب آزما سامانوں اور صبر ربا حالتوں کے ساتھ پیش آئی تھی، عمر عین عروج شباب کی عمر اور معاملہ محبت کا نہیں محبوبیت کا، طلب کا نہیں مطلوبیت کا، پھر طلب بھی ہوئی تو کیسی طلب؟ دیوانگی کی طلب اور دل باختگی کا تعاقب! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ موانع بالکل مرتفع ہوگئے، کوئی انسانی آنکھ دیکھنے والی نہیں، کوئی پردۂ حجاب حائل نہیں، کون ہے جو ایسی حالت میں بھی اپنے کو قابو میں رکھ سکتا ہے؟ عفت و پاکی کا کوئی سا پہاڑ ہے جو ان بجلیوں کی تاب لاسکتا ہے؟ لیکن ایک پہاڑ تھا جسے یہ بجلیاں بھی نہ ہلا سکیں، یہ حضرت یوسف کی سیرت تھی جو کسی حال میں بھی متزلزل نہیں ہوسکتی تھی۔

(ترجمان القرآن: ۸۴۳/۳-۸۴۵)

بالکل واضح بات ہے کہ حضرت یوسف کی عفت مآبی اور پاکیزگیٔ سیرت ان کی ربانیت کا ثمرہ تھی۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو حرام آمدنی کے مواقع ملتے ہیں مگر اس کی ربانیت اُسے حلال پر قناعت کا خوگر بنائے رکھتی ہے اور وہ حرام سے ہر طرح دور اور نفور رہتا ہے، کبھی انسان کو دشمن سے انتقام اور ہر کسر نکال لینے کا موقع بھی ملتا ہے مگر اس کی ربانیت اسے عفو و درگذر اور صبر پر مجبور کردیتی ہے، حضرت یوسف نے اپنے خون کے پیاسے بھائیوں کو

تمام تر قدرتِ انتقام کے باوجود اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانی دشمنانِ مکہ کو تمام تر قدرتِ انتقام کے باوجود یک لخت معاف کر دیا، اور اس کی ایک ہی بنیاد تھی، وہ ان کی ربانیت تھی۔

سیرتِ یوسفی کے اس پہلوئے عفو ودرگذر پر تبصرہ کرتے ہوئے ترجمان القرآن کے مصنف کا قلم یوں لکھتا ہے:

> غور کرو! عفو وبخشش کا وہ کیا مقام ہے؟ ہمت کا وہ کیا علو ہے؟ ظرف کی وہ کیسی پہنائی ہے؟ خُلق کی وہ کیسی عظمت ہے جو دشمنی کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتی ہے؟ اور جس سیرت کا یہ حال ہو اُس کے لئے فضیلت کی اور کون سی بات باقی رہ گئی؟ مظلومی وبے چارگی کی حالت میں صبر کر لینا بلاشبہ ایک بڑائی ہے، لیکن طاقت واختیار کی حالت میں بدلہ نہ لینا اور بخش دینا سب سے بڑی بڑائی ہے، اور سیرتِ یوسفی کی عظمت میں دونوں مقام جمع ہو گئے، جب بے چارگی تھی تو اُف تک نہ کی، جب طاقت ملی تو انتقام کا وہم وگمان بھی نہ گذرا، اور بلاشبہ یہ اُس زندگی کا سب سے بڑا اسوۂ حسنہ ہے۔ (ترجمان القرآن: ۳/۸۶۰-۸۶۱)

اگر انسانی زندگیوں کے مختلف نمونوں اور سرگرمیوں کا واقعاتی تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان یا تو حیوانیت کی دلدل میں پھنسا رہتا ہے یا شیطنت اُس پر حملہ آور رہتی ہے یا ربّانیت اُسے مقامِ ارفع پر فائز بنا دیتی ہیں، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہمہ وقت مادّی لذّات میں غرق اور منہمک رہتے ہیں، ان کے تمام افکار وخیالات کا محور ان کی اپنی ذات ہوتی ہے، مادّیت سے آگے ان کی نگاہ کچھ اور نہیں دیکھ پاتی، دنیوی نقد منافع، حیوانی شہوات اور مادّی مقاصد کی تکمیل وتحصیل کے سوا ان کو کسی چیز سے کوئی مطلب نہیں ہوتا، بس اسی مادّیت کے پیچھے وہ اپنے تمام عقائد، اقدار حیات اور سب کچھ قربان کر دیتے

ہیں، اگر وہ بااثر اور صاحبِ جاہ ومنصب ہوتے ہیں تو وہ یہ حرکتیں برملا بے خوف ہوکر کرتے ہیں، اور اگر بے اثر ہوتے ہیں تو قانون کی پکڑ اور سزا سے ڈرتے ہیں، خفیہ حرکتیں کرتے ہیں، اپنے ان خسیس مقاصد کے لئے ان کی نگاہیں آبرو، عزت، شرافت اور کرامت سب کی ناموس تار تار کردینا، اہل وعیال کو ضائع کرنا، دوستوں سے غداری، وطن سے خیانت اور عقیدے سے براءت جیسے جرائم کا ارتکاب کرنا کچھ بھی عیب نہیں ہوتا۔

نہ تو ان کا ضمیر انہیں کچوکے لگاتا ہے کیونکہ وہ مرچکا ہوتا ہے، نہ ہی ان کا ایمان ان کا قدم روکتا ہے کیونکہ شہوت ان کا معبود اور مادّیت ان کی خدا بن جاتی ہے اور وہ ایمان سے محروم رہتے ہیں، اور نہ ہی ان کی عقل ان پر بندش لگاتی ہے کیونکہ شہوتیں ان کی عقل کو ناکارہ اور ان کے دماغ سے فکری سوتوں کو خشک کرچکی ہوتی ہیں، قرآن ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ. (القصص/ ۵۰)

اُس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو خدائی ہدایات کے بغیر بس اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرے۔

ایسے ہی افراد کا تذکرہ قرآن یوں کرتا ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيراً مِّنَ الْجِنِّ وَالإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا، وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا، وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ. (الاعراف/۱۷۹)

اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے انسان اور جن ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے، اُن کے پاس دل ہیں مگر وہ اُن سے سوچتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں، اُن کے پاس کان ہیں مگر وہ اُن سے

سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گذرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں مبتلا ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ، أَفَأَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلاً، أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ أَوْ يَعْقِلُوْنَ، إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيْلاً. (الفرقان/۴۳-۴۴)

کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنالیا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہِ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے۔

خواہش پرستوں کے اس طبقہ کو قرآن نے پوری صراحت کے ساتھ اندھا، بہرا، مردہ دل اور جانوروں تک سے بدتر قرار دیا ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جانور اپنا متعلقہ کام بہر صورت انجام دیتے ہیں، گائے دودھ ضرور دیتی ہے، اونٹ اپنی پشت پر انسان کو سوار ہونے سے نہیں روکتا، سارے جانور انسان کی خدمت کے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، بار برداری، کھیتوں سے متعلق کام، دودھ، بال اون وغیرہ سے متعلق فائدے ان کے ذریعہ انسان کو حاصل ہوتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ جانوروں کو انسان کی طرح فکری، عقلی اور روحانی صلاحیتوں سے نوازا نہیں گیا ہے، انسان کو یہ سب صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں، اس کے باوجود اگر انسان اللہ کی ان عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے، اپنا فرضِ منصبی بھول جائے، اور صرف پیٹ اور شہوت کو مقصدِ زندگی بنائے تو لامحالہ وہ جانوروں سے زیادہ بدتر قرار پائے گا۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا مقصد حیات صرف دوسروں کو نقصان پہونچانا،

دوسروں کو ذلیل کرنا، انسانی قدروں کو پامال کرنا اور سازش رچنا ہی ہوتا ہے، یہ سازشی گروہ بھی مذکورہ بالا شہوت پرست گروہ کی طرح صرف اِسی دنیائے فانی کو اپنا مطمحِ نظر اور مرکزِ توجہ بنائے رکھتا ہے، دونوں میں صرف اِتنا سا فرق ہے کہ ایک کا مزاج شہوانی انانیت کا ہے اور دوسرے کا مزاج عداونی اور ظالمانہ انانیت کا، پہلا گروہ حیوانیت اور وحشیت کا نمونہ پیش کرتا ہے اور دوسرا گروہ شیطنت اور خباثت کا، سچی انسانیت سے محرومی دونوں گروہوں میں قدرِ مشترک ہے، سازشی گروہ مکمل شیطانی ذہنیت کا حامل ہوتا اور شیطان کی طرح دوسروں کو گمراہ، ذلیل اور بدنام کرنا، سازشیں رچنا اور سماج کو نقصان پہونچانا اس کی سرشت میں داخل ہوتا ہے، اسی گروہ پر لعنت کا تذکرہ قرآن میں یوں آیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُوْصَلَ، وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ اُولٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ. (الرعد/۲۵)

جو لوگ اللہ سے پختہ عہد کر لینے کے بعد اُسے توڑ ڈالتے ہیں، اور اُن رابطوں کو کاٹ ڈالتے ہیں جنھیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، وہ لعنت کے مستحق ہیں، اور اُن کے لئے آخرت میں بہت برا ٹھکانہ ہے۔

ان دونوں گروہوں کے مقابلے میں ایک تیسرا گروہ ہے جو شہوت پرستی، انانیت، ظالمانہ اور ماکرانہ ذہنیت سے بالکل پاک اور صرف ایک خدائے برحق کا پرستار ہوتا ہے، اس کا اصل ہدف مرضئ مولیٰ کا حصول ہوتا ہے، اس کا مقصد اللہ کی محبت اور قرب ہوتا ہے، وہ صرف اُسی کی رضا کا طالب اور اسی کے اجر کا آرزومند ہوتا ہے، اس کے تمام مثبت و منفی اعمال اور ایجابی و سلبی رجحانات اُسی کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں، دنیا اس کی نگاہ میں مقصد

اور انتہا نہیں بلکہ ذریعہ اور وسیلہ ہوتی ہے، وہ دنیا کو اپنے قابو میں کرتا ہے، دنیا کے قابو میں نہیں ہوتا، دنیا اس کے ہاتھ اور جیب میں تو ہوسکتی ہے مگر دنیا کو وہ کبھی اپنے دل کے نہاں خانوں میں جگہ نہیں دیتا، اُس کی زبان پر اُس کے رہنما پیغمبر اسلام علیہ السلام کی دعا کے یہ جامع اور بلیغ الفاظ آتے رہتے ہیں کہ:

اَللّٰھُمَّ لاَ تَجعَلِ الدُّنیَا أَکبَرَ ھَمِّنَا وَلاَ مَبلَغَ عِلمِنَا.

اے اللہ! دنیا کو ہمارا اصل مقصد اور منتہائے علم نہ بنائیے۔

بجا طور پر اس تیسرے گروہ کو ربانی گروہ کہا جاسکتا ہے، جس کا ہر عمل اللہ کے لئے ہوتا ہے، جس کی ہر نقل وحرکت راہِ خدا میں ہوتی ہے، وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ جو حسن سلوک اور تعاون کا معاملہ کرتا ہے وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے کرتا ہے، قرآن میں اسی گروہ کے متعلق وارد ہوا ہے۔

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْناً وَیَتِیْمًا وَأَسِیْراً، إِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لاَنُرِیْدُ مِنکُمْ جَزَاءً وَلاَ شُکُوْراً. (الدھر/۸-۹)

وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ، یعنی اُن کے انفاق کا باطنی محرک صرف جذبۂ طلبِ رضائے باری ہوتا ہے۔

وہ دوسروں پر نہ دست درازی کرتا ہے اور نہ زبان درازی، اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ ؎

مری زباں وقلم سے کسی کا دل نہ دُکھے
کسی کو شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ سے

وہ برائی کا جواب برائی کے بجائے اچھائی سے دیتا ہے، اور ایسا صرف اللہ کے لئے

کرتا ہے، حضرت آدم کے صاحبزادے ہابیل کا قابیل کی دھمکی کے جواب میں جو ردِّ عمل تھا وہ اسی کا واضح نمونہ ہے، قرآن میں ہابیل کا یہ قول مذکور ہے

لَئِنۡ بَسَطۡتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقۡتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيۡكَ لِأَقۡتُلَكَ، إِنِّيۡ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعَالَمِيۡنَ. (المائدہ/۲۸)

اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

یہاں ایک بھائی دوسرے بھائی کو قتل کی دھمکی دے رہا ہے، اس موقعے پر صحیح مؤمنانہ رویہ یہی ہے کہ آدمی یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا بھائی اس کے قتل کے درپے ہو اُس کے قتل کا آغاز نہ کرے، آغاز نہ کرنا دفاع اور بچاؤ کی نفی نہیں کرتا، مولانا آزاد لکھتے ہیں ''ہابیل کی صدا میں تمام نوعِ انسانی کی راست بازی و نیک عملی بول رہی تھی، اور قابیل کے عمل میں تمام ظالم انسانوں کی سرکشی وشقاوت کا ہاتھ تھا، اب انسان کے سامنے دو راہیں کھل گئیں، نیکی وراستی کبھی انسان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے گی، ظالم کا ہاتھ ہمیشہ رنگین رہے گا۔ (ترجمان القرآن:۲/۶۱۶)

شہوانیت اور شیطانیت سے پاک ربانی گروہ دعوتِ حق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اصلاح بین الناس، دوسروں کی ہم دردی وغم گساری، جاہلوں کی تعلیم، سرگشتہ لوگوں کی رہنمائی، اور گم گشتہ راہ افراد کی رہبری کے جو کام بھی کرتا ہے اس کی صدا:

مَا أَسۡأَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ أَجۡرٍ، إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ.

میں اس کام پر تم سے کسی معاوضے کا طالب نہیں، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمے ہے۔

ہوتی ہے، اس کا سر راہِ حق میں ہر دم اُس کی ہتھیلی پر ہوتا ہے، وہ راہِ حق میں جان و مال

کی قربانی کو اپنے لئے فخر وشرف باور کرتا ہے، اس کی مجاہدانہ اور دلیرانہ سرگرمیوں کا مقصد نام ونمود، دنیوی شہرت اور مادّی منافع نہیں بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ یہی گروہ سب سے زیادہ کامیاب، بامراد، سعادت منداور قابلِ رشک گروہ ہے، جو آخرت کو ترجیح دیتا ہے مگر دنیا بھی اس کے قدموں میں آپڑتی ہے، وہ دنیا میں بھی حسنہ پاتا ہے اور انشاء اللہ آخرت کا حسنہ بھی اس کا نصیب ضرور ہوگا، اس گروہ کا ربانی مزاج اگرچہ بعض فوری لذتوں اور وقتی منافع سے اسے محروم کردے مگر یہ محرومی اپنے جلو میں خیر کے بے پناہ پہلو رکھتی ہے اور دوررس مضرتوں سے اس کو محفوظ رکھتی ہے، اور اسے جو نفسیاتی سکون اور روحانی اطمینان حاصل ہوتا ہے اس کی بجا طور پر کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی، یہی وہ سعادت ہے جس کے بارے میں کسی حکیم ودانا کا یہ قول آج بھی روشن ہے:

لَوْ عِلَمَ بِهَا الْمُلُوْکُ لَجَالَدُوْنَا عَلَيْهَا بِالسُّيُوْفِ.

کہ اگر اس سعادت کا علم بادشاہوں کو ہوجائے تو وہ تلواروں سے ہم پر حملے کرکے یہ سعادت حاصل کرنا چاہیں گے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام کا اصل مقصد انسان کو شہوت اور شیطان کے پھندوں سے نکال کر ربانی بنانا اور اللہ کے رنگ میں رنگ دینا اور اسی قالب میں ڈھال دینا ہے، انسان کو ربانیت کے قالب میں ڈھالنے کا کام اسلام عبادات کے راستے سے بھی کرتا ہے اور آداب واحکام واخلاق کے راستے سے بھی، عبادات میں پہلا درجہ نمازوں کا ہے، فرض اور نفل دونوں قسم کی نمازوں سے انسان کو ربانی بنانے کا مقصد پورا ہوتا ہے، نماز انسان کے روح کے لئے غذا ثابت ہوتی ہے، جس طرح جسم دن میں کئی بار غذاؤں کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح روح کے لئے بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے جو نمازوں کی شکل میں مہیا ہوتی ہے، نماز ہمہ وقت انسان کو اللہ سے جوڑے رکھتی ہے، زندگی کے میدان میں اور دنیوی

مشغولیات اور ہنگاموں میں جب انسان ڈوب جاتا ہے تو مؤذن کی پنج وقتہ صدائے تکبیر اور دعوتِ نماز وخیر انسان کو دنیوی ہنگامی کی موجِ بلاخیز سے نکال کر خدائے واحد کے دربار میں کھڑا کرتی ہے، جھکاتی اور سجدہ ریز کرتی ہے، یہی صدائے دل نواز اس کے ہاتھ بارگاہِ صمدیت میں دراز کراتی ہے پھر اخلاص و بے لوثی اور مکمل عجز وانکسار سے مانگی جانے والی دعا مستجاب ہوتی ہے اور انسان کی روحانی ترقی کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

سال بھر میں مکمل ایک ماہ تک روزوں کی عبادت کا حکم ہے جس میں ایک مسلمان کو خورد ونوش اور جنسی شہوت سے مکمل اجتناب کرنا ہوتا ہے، مکمل ایک ماہ تک صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزے کے ذریعہ تقویٰ، پرہیزگاری، کمال عبدیت وبندگی کی تربیت کے ذریعہ بندے کو اللہ سے جوڑنے اور ربانی بنانے کا کام ہوتا ہے، ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

اَلصِّیَامُ لِیْ، أَنَا أَجْزِیْ بِهِ، یَدَعُ طَعَامَهُ مِنْ أَجْلِیْ، وَیَدَعُ شَرَابَهُ مِنْ أَجْلِیْ، وَیَدَعُ زَوْجَتَهُ مِنْ أَجْلِیْ، وَیَدَعُ لَذَّتَهُ مِنْ أَجْلِیْ.

(الخصائص العامة للقرضاوی/۲۸)

روزہ میرے لئے ہے، میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ میرے لئے اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے اور میری خاطر اپنی بیوی اور لذت سے کنارہ کش ہوتا ہے۔

زکاۃ کی مالی عبادت انسان کے قلب وروح اور مال ودولت کی تطہیر وتزکیہ کے لئے اور بخل وحرص کے رذائل کا قلع قمع کرنے کے لئے مشروع کی گئی ہے، اور ہر مسلمان کو بطیّب خاطر حق لازم سمجھ کر ادائے زکاۃ کا حکم شرعی فی الواقع اس کو اس کے رب حقیقی سے جوڑنے کے مقصد سے دیا گیا ہے۔

حج کی والہانہ اور عاشقانہ عبادت جو انسان اپنے وطن سے دور، اپنے خاندان سے

الگ ہوکر، اپنی جسمانی مشقتوں اور مالی مصارف کی پروا کئے بغیر انجام دینے حرم مقدس پہونچتا ہے اور خاص ادا اور لباس میں اپنی مسکنت اور عجز کے اظہار کے ساتھ **لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیکَ** کا نعرۂ جانفزا اور روح پرور لگاتا ہوا فریضۂ حج ادا کرتا ہے اور اپنی بندگی کے ذریعہ اپنی عاشقی کا ثبوت پیش کرتا ہے، درحقیقت یہ عبادت بندۂ مؤمن کو ربانی بنانے کے عمل میں بیحد مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

فرض عبادتوں کے علاوہ نوافل وتطوعات کا پورا شرعی نظام بندے اور رب کے مابین تعلق وقرب کی افزائش ہی کے لئے ہے، حدیث قدسی ہے:

مَا تَقَرَّبَ إِلَیَّ عَبدِی بِمِثْلِ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُهُ عَلَیهِ، وَلَا یَزَالُ عَبدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ، حَتَّی أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِی یَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِی یُبْصِرُ بِهِ، وَیَدَهُ الَّتِی یَبْطِشُ بِهَا، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِی لَأُعِیذَنَّهُ، وَلَئِنْ سَأَلَنِی لَأُعْطِیَنَّهُ. (ایضاً/۲۹)

بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جتنا مجھ سے قریب ہوتا ہے کسی اور ذریعے سے اتنا قریب نہیں ہوتا، بندہ نوافل کی ادائیگی کے ذریعے مسلسل مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے پناہ کا طالب ہوتو میں ضرور اسے پناہ دوں گا، اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور اسے عطا کروں گا۔

فرض ونفل تمام عبادات کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مسلمان بس صرف چند لمحوں کے لئے اپنے مالک سے اپنا رشتہ مستحکم کرے پھر وہ اپنی ہوا وہوس کی دنیا میں رنگ رلیاں منانے کے

لئے آزاد و بے لگام ہو جائے، بلکہ ان تمام عبادات کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بندۂ مؤمن کے قلب وضمیر میں تقویٰ وخدا ترسی کی تخم ریزی کی جائے، اور اسے ایسی روحانی غذا اور طاقت اور نور مل جائے کہ جب بھی غفلت کے آثار آئیں اسے فوراً اللہ کی یاد آنے لگے، جب اس کے عزم میں کمزوری آئے اسے طاقت مل جائے اور کبھی ظلمت اس پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے لکھا ہے کہ:

اسلام ایسے مسلمان کو پسند نہیں کرتا جو مسجد میں تو ربانی رہے، رکوع وسجدہ میں مشغول رہے لیکن جب مسجد سے باہر نکلے تو وہ حیوانی یا شیطانی بن جائے، اور اپنی عملی زندگی میں اللہ کے بجائے نفس وشیطان کی غلامی کرنے لگے، اسلام یہ بھی نہیں گوارا کرتا کہ مسلمان صرف رمضان میں ربانی رہے، اور رمضان کے بعد اس کا سلسلۂ عبادت موقوف ہو جائے، اور وہ اپنی طرزِ عمل سے یہ ثابت کرے کہ وہ رمضان کی عبادت کر رہا تھا نہ کہ رمضان کے مالک خدا کی، سلف صالح کا مشہور قول ہے ﴿كُنْ رَبَّانِيّاً وَلاَ تَكُنْ رَمَضَانِيّاً﴾ ربانی بن جاؤ، رمضانی (صرف رمضان کے عبادت گذار) نہ بنو، اسی طرح اسلام یہ نہیں چاہتا کہ آدمی جب تک بلادِ حرم میں رہے اللہ والا رہے لیکن حج وعمرہ سے واپس آنے کے بعد پھر وہ مادّیت کے طوفان میں بہنے لگے اور اللہ سے اس کا رشتہ کمزور ہو جائے، اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ مسلمان صد فیصد اسلام میں داخل ہو جائے، اس کا اپنے مالک سے رشتہ اتنا مستحکم اور اٹوٹ ہو جائے کہ اس پر زمان ومکان، مواقع وحالات، اوقات وظروف کسی بھی طرح اثر انداز اور حائل نہ ہو سکیں۔ (الخصائص/ ۲۹-۳۰)

اسی لئے حدیث میں واضح حکم ہے:

اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ. (ترمذی)

جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو۔

عبادات کے علاوہ آداب واخلاق کا پورا اسلامی نظام بندۂ مؤمن کو اللہ سے جوڑنے کے عظیم مقصد کے لئے تشکیل دیا گیا ہے، روزمرہ کے حالات، کھانے پینے، سونے جاگنے، سفر وحضر تمام انفرادی واجتماعی حالات میں آداب واخلاق اور دعاؤں کی پوری فہرست ذخیرۂ احادیث میں ملتی ہے جو واضح کرتی ہے کہ مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے رب سے غافل نہ رہے، بلکہ اس کا ربط مستحکم رہے، اور ہمیشہ وہ اللہ سے جڑا رہے۔

(اس موضوع کی مزید تفصیل کے لئے ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی کتاب ''الخصائص العامة للإسلام'' ملاحظہ ہو)

مذکورہ تفصیل سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام کا امتیاز اس کا مذہبِ ربانی ہونا ہے، اور ربانیت کا رنگ تمام اسلامی شعبوں میں بالکل نمایاں نظر آتا ہے، واقعہ یہی ہے کہ انسان کا حاصلِ حیات اور سرمایۂ زندگی اس کا اپنے رب سے اٹوٹ رشتۂ عبدیت ہی ہے جسے ''ربانیت'' کے جامع الفاظ میں پرو دیا گیا ہے۔

اسلام کا نظامِ امن واخوت

معترضین وناقدین، مبصرین ومحللین اور دشمنوں ومخالفوں کی طرف سے اسلام اور تعلیماتِ اسلام پر متعدد متنوع اعتراضات کئے جاتے رہے ہیں، اور طرح طرح کے الزامات عائد کئے جاتے رہے ہیں۔

اِن اعتراضات میں ایک بہت بڑا اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام امن وامان اور اخوت ومساحت کا مخالف ہے اور ہر جگہ مسلمان امن مخالف سرگرمیوں میں مصروف ہیں، اور ان کا شیرازہ ہر جگہ بری طرح بکھرا ہوا ہے جو اخوت کے تصور سے ان کی تہی دامانی کا ثبوت ہے۔

اس اعتراض میں کتنی صداقت ہے؟ اس کا اندازہ اسلامی تعلیمات کے ایک طائرانہ تجزیہ ہی سے بخوبی ہوسکتا ہے، اسلام وایمان کا خمیر ہی سلامتی اور امن سے مرکب ہے، اب اگر کسی دَور میں اور کسی مقام پر پیروانِ اسلام امن واخوت مخالف سرگرمیوں میں مشغول ہوجائیں تو اس کی بنیاد پر ان کے کردار پر انگشت نمائی اور حرف گیری تو کی جاسکتی ہے مگر اسلام کو قطعاً مطعون نہیں کیا جاسکتا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا، اور رحمت عالم ہونے کی حیثیت سے آپؐ نے امن واخوت کے ایسے ضابطے اور طریقے متعین فرمادیئے جن کی نظیر پیش ہی نہیں کی جاسکتی، امن وسلامتی کے تعلق سے قرآن کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ آمَنُوا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُوْلٰئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ

وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ. (الانعام/۸۲)

جو لوگ مشرف باسلام ہوئے اور اپنے ایمان کو شرک کی گندگی سے آلودہ نہیں کیا درحقیقت امن انہیں کے لئے ہے اور وہی راہ یاب ہیں۔

یہ آیت اسلام میں امن کی اہمیت کو واضح کررہی ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لانے اور شرک میں مبتلا نہ ہونے کا خدائی انعام امن ہے۔

اور اس سے آگے بڑھ کر اسلام انسانی جان کی حرمت کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے، فرمایا گیا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادَ فِىْ الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً، وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً. (المائدہ/۳۲)

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

اس آیت کے ذریعے سے واضح کردیا گیا کہ اس دنیا میں نوع انسانی کے بقاء کا دارومدار اور تمام تر انحصار اسی پر ہے کہ ہر شخص دوسرے کی جان کا احترام کرتا ہو اور دوسرے کی مدد اور تحفظ کا جذبہ وحوصلہ رکھتا ہو، ہر فرد ملت پر اس آیت کے ذریعے چند ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ ہر حادثۂ قتل پوری قوم میں ایک ہلچل پیدا کردے، جب تک اس کا قصاص نہ لیا جائے ہر شخص یہ محسوس کرے کہ وہ اس تحفظ سے محروم ہو گیا ہے جو اس کو اب تک حاصل تھا، قانون ہی سب کا محافظ ہوتا ہے، اگر قانون ہدم ہو گیا تو صرف مقتول ہی قتل نہیں ہوا بلکہ ہر شخص قتل کی زد میں ہے، دوسری یہ کہ قاتل کا کھوج لگانا صرف مقتول کے وارثوں ہی کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ پوری

جماعت کی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ قاتل نے صرف مقتول ہی کو قتل نہیں کیا ہے بلکہ سب کو قتل کیا ہے، تیسری یہ کہ کوئی شخص اگر کسی کو خطرے میں دیکھے تو اس کو پرایا جھگڑا سمجھ کر نظر انداز کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے، بلکہ اس کی حفاظت وحمایت تا بہ حد مقدور اس کے لئے ضروری ہے، اگرچہ اُس کے لئے اُسے خود جوکھم برداشت کرنی پڑے، اس لئے کہ جو شخص کسی مظلوم کی حمایت ومدافعت میں سینہ سپر ہوتا ہے وہ صرف مظلوم ہی کی حمایت میں سینہ سپر نہیں ہوتا بلکہ تمام مخلوق کی حمایت میں سینہ سپر ہوتا ہے جس میں وہ خود بھی شامل ہے۔ (تدبر قرآن: امین احسن اصلاحی: ۲/۵۰۳-۵۰۴)

حاصل یہ ہے کہ اسلامی سماج ومعاشرہ کے اساسیات میں امن وسلامتی اور اخوت ومودت کی ترویج واشاعت نمایاں طور پر شامل ہے، پیغمبرانہ تعلیمات کا اس پس منظر میں جائزہ لیا جائے تو وہ متعدد بنیادی عناوین پر مشتمل نظر آتی ہیں، ان میں سے چند کا مختصراً یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) عقیدۂ توحید

بعثتِ نبوی کے وقت پوری دنیا شرک، بت پرستی اور اوہام پرستی میں پور پور غرق تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک میں غرق دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا کی، اور پھر اس حیات بخش اور خالص عقیدہ نے لوگوں میں نئی ہمت ووحدت پیدا کی، لوگوں نے غیروں کے سامنے جھکنا چھوڑ دیا، احساسِ کہتری ختم ہوا، لوگوں میں عظمت واحترامِ انسانیت کا جذبہ پیدا ہوا۔

(۲) وحدت انسانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل لوگ مختلف ذات، برادریوں، قبیلوں، اعلیٰ وادنیٰ طبقات میں بٹے ہوئے تھے، اور یہ طبقاتی نظام حیوانیت اور درندگی کی حدود پار کر چکا تھا، مساوات اور وحدت کا تصور تک ختم ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوعِ انسانی پر یہ احسان کیا کہ اسے وحدت انسانی کا تصور عطا فرمایا اور قومیت، علاقائیت، وطنیت، لسانیت، عصبیت کے تمام بت گرادیئے اور قرآن کی زبان میں یہ اعلان فرمادیا کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ، وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط سے پیدا کیا اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں شناخت کے لئے تقسیم کردیا، تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدا لگائی کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ: إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ، لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَىٰ عَجَمِيٍّ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ. (کنز العمال)

اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور باپ بھی ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاکباز ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔

ارشاد ہوا:

لَیُسَ مِنّا مَنُ دَعَا إِلَی عَصَبِیَّةٍ، وَلَیُسَ مِنّا قَاتَلَ عَلَیٰ عَصَبِیّۃٍ، وَلَیُسَ مِنّا مَنُ مَاتَ عَلَیٰ عَصَبِیَّةٍ. (مشکوٰۃ المصابیح)

جو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم میں سے نہیں، اور عصبیت یہ ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم کا ناجائز تعاون کرو۔

نوعِ انسانی کے خالق کی وحدت اور نسلِ انسانی کے بانی و مورث کی وحدت کا اعلان زبانِ رسالت سے حجۃ الوداع میں ہوا، اور یہی دو وحدتیں ہیں جن پر نوعِ انسانی کی حقیقی وحدت کا دارومدار ہے۔

(۳) احترامِ انسانیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت انسانی وجود بالکل بے قیمت تھا، جانوروں اور درختوں تک کو انسانی جان سے محترم و مقدس قرار دیا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے دلوں میں یہ حقیقت جاگزیں فرمائی کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ بیش قیمت، محترم، قابل محبت، اور لائق حفاظت وجود ہے، وہ اللہ کا نائب و جانشین ہے اور یہ پورا کارخانۂ عالم اسی کے لئے وجود میں آیا ہے۔

فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُم مَا فِی الأَرضِ جَمِیعاً. (البقرۃ:۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

اَلَمُ تَرَوُا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الأَرُضِ وَأَسُبَغَ عَلَیُکُمُ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً. (لقمان:۲۰)

اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں

اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً. (الاسراء: ۷۰)

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، اور ان کو بحر و بر میں سواری اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت بخشی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ. (مشکوٰۃ المصابیح)

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہونچائے۔

احترام آدمیت اور رفعتِ انسانیت کا یہ تصور اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمتِ خداوندی کے حصول کی شرط یہ بتائی کہ انسانوں پر رحم کیا جائے ۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

(۴) مروّت ورواداری

تنگ نظری اور تعصب فساد و انتشار کا اصل سبب ہوتا ہے، امن کا قیام رواداری اور مروّت کے بغیر نہیں ہوسکتا، ایک طرف قرآن نے یہ اعلان کیا کہ:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الإِسْلَام.

دین فی الواقع اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا کہ:

لاَ إِکْرَاہَ فِیْ الدِّیْنِ.

دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔

اسلام کا یہ رواداری کا نظریہ ہی امنِ عالم کا ضامن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کو تمام بنیادی حقوق عطا کئے، عزت وآبرو، جان ومال کا تحفظ، دلآزاری سے تحفظ، آزادیٔ عقیدہ کا حق، عبادت گاہوں کی حفاظت، ضرورت مند ومعذور افراد کومہیا وسائل سے فائدہ اٹھانے کا حق، سب کچھ عطا فرمایا،فوج کو تنبیہ کی کہ لڑائی میں مذہبی سربراہوں، عبادت گاہوں کے کارکنوں اور تارک الدنیا افراد سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے، کسی غیر مسلم کومسلمان سے اذیت پہونچی تو محاسبہ فرمایا، اس طرح امن کی فضا عام کردی۔

(۵) اتحاد واتفاق

یہ حقیقت ہے کہ سب سے مہلک مرض اختلاف وانتشار کا مرض ہے، اور سب سے مفید دوا وعلاج اتحاد واتفاق ہے، امن کے قیام میں اتحاد واتفاق کا کلیدی رول ہوتا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو اتحاد واتفاق سے رہنے کی تاکید فرمائی، تمام مسلمانوں کوکلمۂ واحدہ کی بنیاد پر ''بنیان مرصوص'' (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بننے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ:

اَلْمُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِ کَالْبُنْیَانِ، یَشُدُّ بَعْضُہُ بَعْضاً. (بخاری ومسلم)

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی مضبوطی واستحکام کا باعث ہوتا ہے۔

مزید فرمایا گیا:

مَثَلُ الْمُؤمِنِيْنَ فِيْ تَوادِّهِمْ وَتَراحُمِهِمْ وَ تَعاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَىٰ مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعِيْ لَهُ سَائِرَ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَّىٰ. (بخاری ومسلم)

باہمی محبت وتعلق میں اہل اسلام جسم واحد کی مانند ہیں، کہ ایک عضو کو تکلیف پہونچتی ہے تو پورا بدن بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اختلاف وانتشار کو دین کو مونڈنے والا عمل قرار دیا گیا ہے، اور اختلاف کو تباہی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

(٦) جہاد

حق کو سربلند کرنے، سچائی کو غالب کرنے اور ظلم کا خاتمہ کرنے کے لئے اپنی ہر ممکن کوشش صرف کرنا جہاد ہے، ناقدینِ اسلام جہاد کو امن مخالف اقدام کا نام دیتے ہیں مگر فی الواقع یہ اصلاحِ کائنات اور قیام امن کے لئے ہوتا ہے، جہاد انسانیت کے لئے خیر و برکت کا ضامن ہوتا ہے، وہ ظلم کا قلع قمع کرتا ہے، اس کا مقصد حصولِ زر، حصولِ جاہ، حصولِ مال اور تسکینِ نفس نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد امن کو فروغ دینا اور فساد کے سارے شگاف پاٹ دینا ہوتا ہے۔

دشمن حملہ آور ہو یا حملہ کے لئے تیار ہو تو ملک وقوم کی حفاظت کے لئے جہاد کا حکم ہے، کمزوروں اور مظلوموں کی مدد کے لئے، ظلم کی بیخ کنی کے لئے اور سرکشی وفساد کے خاتمہ کے لئے جہاد کی تلقین کی گئی ہے، مختلف جہادی معرکوں کے بعد حنین ومکہ کی فتح ہوئی اور اس کے نتیجہ میں پورے جزیرۃ العرب میں جو امن وامان کا نظام قائم ہوا اور جان ومال اور عزت وآبرو کا جو تحفظ سامنے آیا وہ اسی جہاد کی برکت ورحمت کا ظہور تھا، روایات میں آتا ہے کہ امن وامان کا عالم یہ تھا کہ ایک پردہ نشین تنہا خاتون مقام حیرہ سے مکہ آکر طواف کعبہ کرتی اور پھر

وطن لوٹ جاتی ہے اور کسی کو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔

(۷) عدل وانصاف

عدل وانصاف اگر کسی سماج سے ختم ہوجائے اور بے انصافی وظلم کا دوردورہ ہوجائے تو وہ سماج بدامنی وفساد کی آماج گاہ بن جاتا ہے، امن کے بقاء ووجود کے لئے عدل وانصاف کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسلام چونکہ بہمہ وجوہ فطرت سے ہم آہنگ ہے اسی لئے اس کی تعلیمات میں عدل وانصاف کی تاکید جابجا نظر آتی ہے، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ ہر وقت عدل کا معاملہ فرمایا، قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ، إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللّٰهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا، وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا. (النساء:۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو، فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو، اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی پوری خبر ہے۔

مزید فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَنْ لَا تَعْدِلُوا، اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ.

(المائدہ:۸)

اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

(۸) امن پر مبنی اقدامات:

مدنی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ حکومت بھی تھے اور منتظم اعلیٰ بھی، آپ نے اسلامی حکومت کی تشکیل میں ان خطوط پر کام کیا جو امن کے قیام کے لئے بنیاد ثابت ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے مقابلے میں صلح کو ہمیشہ ترجیح دی، بکثرت غیر مسلموں سے مصالحت کے معاہدے کیئے۔

ہجرت کے فوراً بعد یہود مدینہ سے معاہدۂ امن وصلح وتعاونِ باہمی ہوا جو میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے، پھر خیبر، تیماء، فدک، وادی القریٰ کے یہودیوں سے معاہدے ہوئے، صلح حدیبیہ کے ذریعہ قریش مکہ سے دس سالہ معاہدہ ہوا، نجران، دومۃ الجندل، یمن وتبالہ وغیرہ کے عیسائیوں سے معاہدے ہوئے، صلح کے متعدد معاہدوں کی وجہ سے اسلام کا حلقۂ اثر بھی بڑھا، اسیرانِ جنگ سے حسن سلوک بھی آپ کا اہم ترین اقدام تھا، جنگوں میں مذہبی کارکنان، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، معذوروں کو مارنے سے منع کرنا بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے، اس طرح کے بے شمار اقدامات عہد رسالت میں کیئے گئے اور عملی طور پر امن کو نافذ کردیا گیا۔

(۹) مساوات:

طبقاتی اونچ نیچ کی عادی دنیا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کا روح افزا تصور

عطا فرمایا، امیر وغریب، آقا وغلام، کالے وگورے، عربی وعجمی سب کو یکساں قرار دیا۔ تمام اہل اسلام کے حقوق یکساں رکھے گئے، برتری کا معیار صرف خدا ترسی، پاکبازی اور تقویٰ کو قرار دیا گیا، خاندانی کبر اور دوسروں کے نسب وخاندان پر عیب گیری کو جاہلیت کی نشانی بتایا گیا، تاریخ میں مساواتِ اسلامی کے بے شمار نمونے موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طبقاتی تفاوت کے جاہلی نظام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا اور امن ومساوات کا اسلامی نظام قائم فرمادیا۔

(۱۰) اخوت

اخوت کا جذبہ بیدار ہو تو فتنہ وفساد سر اٹھانے نہیں پاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر اخوت مسلمانوں میں قائم فرمائی، قرآن میں واضح اعلان کیا گیا

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ. (الحجرات: ۱۰)

کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

انصار مدینہ کے دو قبیلوں اوس وخزرج کی صدیوں سے چلی آرہی عداوت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم فرما کر ان کے دل جوڑ دیئے، اور ان میں قابل رشک اخوت قائم فرمائی، انصار ومہاجرین میں مواخات کا رشتہ قائم فرمایا، اور ہر مسلمان کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرے، مظلوم کو ظلم سے بچائے اور ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اسے ظلم سے روکے، آپ نے فرمایا کہ:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ. (بخاری ومسلم)

مسلمان وہ ہے جس کی دست درازیوں اور زبان درازیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

فرمایا گیا:

اَلْمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ ، کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ. (مسلم)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، مسلمان کا خون، مال وآبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

تعلیمات نبوت میں اخوت کی تاکید اتنی زیادہ آئی ہے کہ اس کا احاطہ مشکل ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ قرن اول کا اسلامی معاشرہ اخوت کا سب سے بڑا نمونہ ثابت ہوا۔

امن وسلامتی اور اخوت ومودت کے باب میں نبوی تعلیمات کے یہ دس بنیادی عناوین تھے جن کا ذکر کیا گیا، ان کی روشنی میں اسلام کا نظام امن واخوت سمجھا جا سکتا ہے اور اس سے دشمنانِ اسلام کی اسلامی امن واخوت کے سلسلہ میں عام کی ہوئی مغالطہ انگیزیاں اور فریب کاریاں بھی اجاگر ہو جاتی ہیں۔

اسلام: حقوقِ انسانی کا سب سے بڑا علمبردار

ہر انصاف پسند، معقولیت پسند اور مثبت فکر کا حامل انسان قرآن و حدیث میں غور و فکر کرنے کے بعد بآسانی یہ حقیقت سمجھ سکتا ہے کہ اسلام حقوق انسانی کا سب سے بڑا علمبردار اور محافظ ہے، ادیان و مذاہب، افکار و نظریات سے قطعِ نظر اسلام ہر انسان کے حقوق کی ادائیگی کی صدا بلند کرتا ہے اور اِس حوالے سے ہر فردِ بشر کو مکمل امانتدار اور سنجیدہ دیکھنا چاہتا ہے۔

قرآن واضح کرتا ہے کہ کسی مسلمان کا ایمان انبیاء سابقین اور کتب سابقہ پر ایمان لائے بغیر معتبر نہیں ہوسکتا ہے۔ حکم خداوندی ہے:

قُوْلُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لاَنُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ. (البقرة/١٣٦)

اے مسلمانو! تم کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری

طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ وعیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی، ہم اُن کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مطیع ہیں۔

اس میں واضح کردیا گیا ہے کہ امت محمدیہ خدا کی نازل کردہ کسی ہدایت کی تردید اورکسی نبی اور رسول کی تکذیب نہیں کرتی بلکہ بغیر کسی استثناء اور تخصیص وتفریق کے سب پر ایمان رکھتی ہے۔

اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ سیاست وحکومت کو دین کا اہم ترین حصہ قرار دیتا ہے، اس میں دین وسیاست دو متضاد چیزیں نہیں ہیں، حکومت وسیاست کے ذیل میں جو اسلامی تعلیمات ملتی ہیں وہ نرمی، مساوات، انسانیت، مذہبی ومسلکی فرقہ پرستی سے یکسر دوری، عدل، تواضع اور دوسرے مذاہب کے احترام جیسے عناصر پر مشتمل ہیں، اوران کا ایک سرسری مطالعہ اس حقیقت تک رسائی کے لئے بالکل کافی ہے کہ اسلام حقوقِ انسانی کا سب سے بڑا محافظ اور اس فکر کا اولین حامل وعلم بردار ہے۔

اسلام کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلام لانے پر بالکل مجبور نہیں کیا جاسکتا، قرآن اس کی وضاحت یوں کرتا ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ. (البقرة/٢٥٦)

دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہوچکی ہے۔

اس آیت کے ذیل میں کج فکروں کی طرف سے یہ مغالطہ انگیزی کی جاتی ہے کہ جہاد درحقیقت دوسروں کو قبولِ اسلام پر مجبور کرنا ہے، لہٰذا یہ اصول ''کہ دین میں جبر نہیں'' اسلام کے دوسرے حکم جہاد سے ٹوٹ جاتا ہے، اوراس کی کوئی معنویت باقی نہیں

رہتی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ صرف مغالطہ ہے، اس لئے کہ جہاد اصلاً فتنہ، ظلم، تشدد اور فساد فی الارض کے انسداد کے لئے ہے نہ کہ دوسروں کو قبولِ اسلام پر مجبور کرنے اور اشاعتِ اسلام کے لئے، اشاعت اسلام کا طریقہ صرف دعوت ہے، اس لئے کہ دین دل کے اعتقاد و یقین سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اعتقاد صرف دعوت و موعظت سے پیدا ہوسکتا ہے نہ کہ جبر و استکراہ اور تشدد سے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک بار انہوں نے ایک عیسائی بوڑھی عورت کو دعوتِ اسلام دی، بڑھیا نے کہا کہ میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں؟ حضرت عمر نے یہ سن کر اسے ایمان پر مجبور نہیں کیا اور یہی اصولِ قرآنی بیان فرمایا کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اسلامی نظام میں اس بات کی پوری گنجائش موجود ہے کہ اہل کفر اپنے کافرانہ عقیدے پر باقی رہتے ہوئے اسلامی حکومت کی رعایا رہ سکتے ہیں اور اس صورت میں ان کے تمام تر حقوق کی رعایت وحفاظت اسلامی حکومت کا فرض اور مسئولیت ہے، قرآن اس اسلامی اصول کا جابجا اعادہ کرتا ہے، فرمایا گیا:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لآمَنَ مَنْ فِيْ الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُوْنُوا مُؤْمِنِيْنَ. (یونس/۹۹)

اگر آپ کا رب چاہتا ہے تو روئے زمین کے سبھی انسان مسلمان ہوجاتے (اور دنیا میں عقیدہ وعمل کا اختلاف باقی ہی نہ رہتا لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں، پھر اگر لوگ نہیں مانتے تو) کیا آپ ان پر جبر کریں گے کہ جب تک ایمان نہ لاؤ (میں چھوڑنے والا نہیں ہوں)

یہاں مولانا آزاد کے بقول:

غور کرو کتنی عظیم الشان بات کتنے مختصر لفظوں میں کہہ دی ہے: فرمایا کہ فکر واستعداد کا اختلاف یہاں ناگزیر ہے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ زور وزبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دی جائے، یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا جس میں فہم وقبول کی استعداد ہے۔ اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قرآن کے نزدیک دین وایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر واکراہ کی صورت کا ذکر ایک انہونی اور ناکردنی بات کی طرح کیا گیا ہے۔ (ترجمان القرآن: ۳/۵۵۶-۵۵۷)

پیغمبر کی زبانی یہ حقیقت واضح کی گئی:

قُلْ یَا أَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ کُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اهْتَدَیٰ فَإِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَا أَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ. (یونس/۱۰۸)

آپ کہہ دیجئے اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے، اب جو سیدھی راہ اختیار کرے اس کی راست روی اسی کے لئے مفید ہے اور جو گمراہ ہے اس کی گمراہی، اسی کے لئے تباہ کن ہے اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالہ دار نہیں ہوں (کہ زبردستی مسلمان بنادوں)

فرمایا گیا:

فَإِنْ أَعْرَضُوْا فَمَا أَرْسَلْنَاکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظاً إِنْ عَلَیْکَ إِلَّا الْبَلَاغُ. (الشوریٰ/۴۸)

اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اے نبی! ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے، آپ پر تو صرف بات پہونچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

ارشادِ قرآنی ہے:

نَحنُ أَعلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنتَ عَلَيهِم بِجَبارٍ. (قٓ/۴۵)

اے نبی! جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں انہیں ہم خوب جانتے ہیں، آپ کا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے۔

حکم ربانی ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَستَ عَلَيهِم بِمُسَيطِرٍ. (الغاشية/۲۱-۲۲)

آپ نصیحت کئے جایئے! آپ کا کام بس نصیحت کرنا ہے، آپ ان پر جبر نہیں کر سکتے۔

بنوسالم بن عوف کے ایک صاحب حضرت حصینؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دو عیسائی بیٹوں کو اسلام پر مجبور کرنے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سختی سے منع کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ اسلام میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے۔

اسی طرح اسلام کا اصول یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات، معاہدات اور مصالحت کو اس وقت تک ختم نہیں کیا جا سکتا جب تک غیر مسلموں کی طرف سے بدعہدی، بدمعاملگی، خیانت، فتنہ پردازی اور علانیہ اظہار عداوت سامنے نہ آجائے، قرآن اپنے پیروؤں کو ظلم وزیادتی سے روکتا ہے، اور ظلم پر اللہ کی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کرتا ہے، اسلام انتقام سے درگذر کو بہتر بتاتا ہے، اور انتقام میں مکمل عدل وانصاف کو لازم اور زیادتی کو ناجائز قرار دیتا ہے، اسلام اہل اسلام کو کفار کے مطالبۂ صلح کو ماننے اور صلح کو بہر صورت ترجیح دینے کی تلقین کرتا ہے، اور واضح کرتا ہے:

فَإِنِ اعتَزَلُوكُم فَلَم يُقَاتِلُوكُم وَأَلقَوا إِلَيكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُم عَلَيهِم سَبِيلاً. (النساء/۹۰)

اگراہل کفرتم سے کنارہ کش ہوجائیں اورلڑنے سے باز رہیں اورتمہاری طرف صلح وآشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لئے اُن پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔

اور

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. (الانفال/۶۱)

اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کے لئے آمادہ ہوجایئے اوراللہ پربھروسہ کیجئے۔

لیکن

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ. (الانفال/۵۸)

اگرتمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہوتواس کے معاہدے کوعلانیہ اُس کےآگے پھینک دو، یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے اہل اسلام کے روابط عام طور پر پرامن اور خیرخواہانہ ہونے چاہئیں، ان کی صلح کی پیش کش کواسلام سراہتااور ماننے کا حکم دیتاہے، اگران کی طرف سے مخالفانہ اقدامی کارروائی نہ ہو، اورکوئی منصوبہ سازی نہ ہوتوان سے تعرض ممنوع ہے، ہاں ان کی بدعہدی، مخالفانہ اقدامات اورمبنی برفتنہ منصوبہ سازیوں کا جواب ضروردیا جائے گا اور یہ سب دائرۂ عدل میں رہ کر ہوگا، ہجرتِ مدینہ کے بعد مشرکین عرب، یہود مدینہ اورغسانی عیسائیوں اوررومیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں انہیں اسلامی اصول کی روشنی میں تھیں، مشرکین عرب سے جوجنگیں ہوئی ہیں وہ عموماً سبھی دفاعی ہیں، اوران کے بے پناہ ظلم، بدعہدی، سازشوں اورمنصوبہ بندیوں اور عملی جنگ اقدامات کے ردِعمل اور دفاع میں ظہور

پذیر ہوئیں، غزوۂ خندق میں سبھی قابل ذکر مشرک قبائل عرب اہل اسلام پر حملہ آور ہوئے تھے، اس موقعے حکم دیا گیا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً. (توبہ/۳۶)

مشرکوں سے مل کر لڑو جیسا کہ وہ تم سے مل کر لڑتے ہیں۔

اسی طرح یہودیوں کے ساتھ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ ان کی بدعہدی اور سازشوں کا ردّعمل تھا، ان کی جلاوطنی اور سزائے قتل ان کے بھیانک جرائم کی سزا تھی۔

اسلام کی اصول پسندی اور انسانیت نوازی کا واضح ثبوت یہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ تک میں دشمنوں کے بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور غیر جانبدار افراد اور جنگ سے بے تعلق مذہبی لوگوں کو قتل کرنے اور چھیڑنے سے روکتا ہے، کسی علاقے کے فتح ہونے کے بعد وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو ان کے مذہب، عقائد اور مذہبی شعائر میں آزاد رکھا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے بعد ایلیا کے باشندوں کو جان، مال، عزت آبرو کی حفاظت اور گرجا گھروں، صلیبوں، مذہبی شعائر کے سلسلے میں امان وآزادی دی تھی اور تحریری معاہدے میں یہ وضاحت کی تھی کہ انہیں اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور کسی قسم کا نقصان انہیں نہیں پہونچایا جائے گا، یہی امان اور عہد حضرت عمرو بن العاصؓ نے فتح مصر کے بعد وہاں کے غیر مسلم باشندوں سے کیا تھا۔

یہود ونصاریٰ اور دیگر غیر مسلموں سے مذہبی گفتگو کرتے وقت اسلام نے اپنے متبعین کو شائستہ اسلوب اپنانے اور مناظرہ ومجادلہ سے بچنے اور اضطراری حالت میں مباحثہ ومناظرہ کرنے اور اس میں شائستگیٔ اسلوب ولہجہ، معقولیت اور نرمی اپنانے اور سخت کلامی اور سب وشتم پر اتر آنے سے مکمل اجتناب کے واضح احکام دیئے ہیں۔

وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے ساتھ ایک علاقے میں مقیم ہیں اسلام نے ان کے حقوق

متعین کیئے ہیں اوران حقوق میں کسی بھی طرح کی کوتاہی سے اہل اسلام کومنع کیا گیا ہے، ایک حدیث میں ارشادنبوی ہے کہ:

جوکسی ایسے غیر مسلم انسان کوقتل کرتا ہے جس کا مسلمانوں سے عہدِ امان ہوتو یہ قاتل اللہ ورسول کے ذمے کوتوڑنے والا ہے، اس کی سزا یہ ہوگی کہ وہ جنت کی ستر سال کی مسافت سے محسوس کی جانے والی خوشبوتک محسوس نہ پائے گا۔(ترمذی)

نجران کے عیسائیوں کا وفد جب مدینہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کوقیام مدینہ کے دوران اپنے دین کے مطابق نماز ادا کرنے سے نہ روکا، ایک یہودی کے جنازے کودیکھ کرآپ کھڑے ہوگئے، کسی نے بتایا کہ یہ تو یہودی تھا، آپ نے فرمایا کہ کیا انسان نہیں تھا؟ یعنی اس کا انسان ہونا اس کے احترام کی دلیل ہے، حضرت عبداللہ بن عمر نے بکری ذبح کرائی اور بڑی تاکید کے ساتھ اس کا گوشت سب سے پہلے اپنے یہودی ہم سائے کے پاس بھیجا، عہد فاروقی میں کسی یہودی نے حضرت علیؓ کی شکایت کردی، حضرت عمرؓ نے حضرت علی کو بلوایا اور کہا اے ابوالحسن! کیا معاملہ ہے؟ معاملے کے تصفیہ کے بعد حضرت عمر نے حضرت علی کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھ کر پوچھا کیا آپ اس لئے ناراض ہیں کہ ایک یہودی کے ساتھ آپ کوعدالت میں کھڑا کیا گیا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ نہیں مجھے غصہ آپ کی ناانصافی پرآیا ہے، آپ نے یہودی کا نام لیا اور مجھے کنیت سے پکارا، جب کہ انصاف ومساوات کا تقاضا یہ تھا کہ آپ میرا نام لے کر پکارتے کیونکہ کنیت سے پکارنا احترام کی دلیل ہے، اورعدالت میں دونوں فریقوں کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہئے۔

اسلام اپنے متبعین کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ معاشرے کے اپاہج، نہ کماسکنے والے معذور افراد اورضروت مند عورتوں پرضرور مال خرچ کریں اوران کا حق ادا کریں، خواہ یہ معذور وحاجت مندافراد مسلمان ہوں یا غیر مسلم، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں ایک نابینا بوڑھے

معذور ذمی کافر کو مانگتے ہوئے دیکھا تو فوراً حکم دیا کہ اس سے اور اس جیسے معذور افراد سے جزیہ ساقط کر دیا جائے۔

اس طرح کے بے شمار واقعات اسلامی تاریخ میں موجود ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام امن پسند، انسانیت دوست، حقوقِ انسانی کا محافظ اور اخلاقی قدروں سے مالا مال مذہب ہے، اب جو ان حقائق سے چشم پوشی اور اسلام کی تحقیر و مذمت پر جما ہوا ہے تو اس تعصب اور تنگ نظری پر اسے سمجھانے اور اس کے لئے توفیقِ ہدایت کی دعا کے سوا اور کیا لیا جا سکتا ہے؟

اسلام مذہب انسانیت ہے

تمام مذاہب وادیان کے درمیان اسلام اس لحاظ سے بھی امتیازی حیثیت کا حامل ہے کہ وہ ایک انسانیت دوست نظریۂ حیات ہے، عقائد وعبادات، تشریعات وتعلیمات ہر پہلو سے اسلام دین انسانیت ہے، اسلام کے ساتھ یہ عجیب جوڑ لگا ہے کہ وہ بیک وقت ربانی مذہب بھی ہے اور انسانی بھی۔

یعنی یہ دین رب واحد کا ہے اور پوری انسانیت کی بھلائی کے لئے ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انسان اس وقت تک انسان نہیں بن سکتا جب تک وہ ربانی نہ بن جائے اور اپنے کو اللہ کے رنگ میں نہ رنگ لے، اسلام کا منشأ ومقصد ربانی معاشرے کی تشکیل ہے، انسان بغیر کامل انسانیت کے ربانی نہیں ہوسکتا اور بغیر ربانیت کے کامل انسان نہیں ہوسکتا، ربانیت کا مطالبہ اخلاص، توحید، رضائے باری کی طلب اور تقویٰ وعمل صالح ہے اور اس سب کا مقصد انسان کی آزادی، سعادت، کرامت، حفاظت، رفعت وعظمت ہے۔

ربانیت وانسانیت کے حسین اجتماع کا ایک نمونہ عقل انسانی اور وحی الٰہی ہے، اللہ نے انسان کو عقل سے نوازا ہے، اور اسے استعمال کرنے اور اس سے کام لینے کا حکم دیا ہے، مگر ساتھ ہی اسے محدود رکھا ہے، اور ایک مرحلہ وہ بھی بنایا ہے جہاں عقل انسانی جواب دے جاتی ہے اور وحی الٰہی کا کام شروع ہوتا ہے، وہاں انسان کو عقل کے بجائے وحی کی اتباع کا تاکیدی حکم ہے، وحی الٰہی نے عقل انسانی کو کالعدم نہیں ٹھہرایا ہے، بلکہ اس نے عقل کو ایک دائرے میں بڑی آزادی دی ہے۔

عقل کو آزادی ہے کہ وہ اللہ کے وجود اور وحدانیت میں غور کرے، دلائل انفس وآفاق کی مدد سے توحید اور قدرتِ الٰہی کو سمجھے، رسالت کی ضرورت کا احساس کرے، پیغمبروں کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے حقیقی معجزات اور شعبدہ بازوں کی مکاریوں کا فرق سمجھے، اصولِ شرع کو سمجھ کر فروع کا حکم جانے، اصولیات پر قیاس کرے، یسر، ضرورت، دفع حرج، عرف وعادت، حالات وظروف اور جلب منفعت ودفع مضرت کے اصول کی روشنی میں لائحۂ عمل طے کرلے، کسی امر کی قباحت یا حسن کا فیصلہ کرلے، حدیث میں ہے:

اِسۡتَفۡتِ قَلۡبَکَ، اَلۡبِرُّ مَا اطۡمَأَنَّتۡ إِلَیۡهِ النَّفۡسُ وَالإِثۡمُ مَا حَاکَ فِیۡ صَدۡرِکَ. (مسند احمد)

اپنے دل سے فتویٰ پوچھو، نیکی وہ ہے جس سے دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے۔

عقل کو اجازت ہے کہ ایجاد کرے، وسائل زندگی کی اختراع میں حصہ لے، ہاں حق وعدل کا دامن تھامے رہے، دوسروں کے تجربات کو مشعل راہ بنائے، عقل اگر سلیم ہے تو یہ سب کام اس سے ہوسکتا ہے بلکہ ہوا ہے، ہورہا ہے اور ہوگا، عقل کو اس کی مکمل آزادی ہے، اور یہ اسلام کے ربانی کے ساتھ انسانی مذہب ہونے کی کافی شافی دلیل ہے۔

اسلام کا سب سے بنیادی اولین مأخذ قرآن کریم ہے، قرآن کی آیات وموضوعات کا طائرانہ مطالعہ اس حقیقت کے ایقان کے لئے بالکل کافی ہے کہ یہ کتاب انسانیت ہے، پورا قرآن انسان سے مخاطب ہے یا انسان کے بارے میں مخاطب ہے ﴿الإنســـان﴾ کا لفظ قرآن میں ٦٣ رمقامات پر آیا ہے (الناس) کا لفظ ٢٤٠ رمرتبہ آیا ہے، پہلی وحی کی پانچ آیات میں دوبار ''انسان'' کا لفظ ہے جس میں اشارہ ہے کہ انسان کا پہلا امتیازی وصف علم وتعلم ہے، سب سے پہلا حکم قرآنی انسان کے لئے ﴿اقرأ﴾ علم وتعلم ہے۔

نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نبیِ رحمت و انسانیت ہیں، ان کی سیرت ایک پاک باز حاملِ رسالت انسان کی سیرت ہے، قرآن میں ان کی عبدیت و بشریت کا اظہار بار بار کیا گیا ہے، اور واضح کیا گیا ہے کہ خورد ونوش، شادی بیاہ، خوشی غمی، رضا وغضب، یادداشت، ونسیان، سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتا ہے، اور اس لئے آپ پوری انسانیت کے لئے کامل اور عمدہ ترین نمونہ ہیں۔

یوں تو تمام انبیاء کی دعوت میں مخاطب انسانوں کے انسانی پہلو کا لحاظ ملتا ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام میں اس پہلو کی رعایت اور جلوہ گری بہت زیادہ ہے، فقہِ اسلامی میں عبادات کا حصہ صرف ایک چوتھائی یا تہائی کو محیط ہے، بقیہ تین چوتھائی معاملات، معاشرت، تعزیرات وغیرہ انسانی شخصی احوال سے متعلق ہے، عبادات میں دوسرے درجے کی عبادت زکاۃ ہے، یہ بھی مکمل انسانی عبادت ہے جس میں مالدار سے متعین رقم لی جاتی ہے جو اس کی تطہیر وتزکیہ کا باعث ہوتی ہے اور وہ رقم غریب انسان کو دی جاتی ہے جس میں اس کی حاجت روائی ہوتی ہے، دوسری عبادتوں میں بھی انسانی پہلو ملتا ہے۔

نماز معرکۂ زندگی میں انسان کا بہت بڑا ہتھیار وسہارا ہے جس سے صبر کے ذریعے مدد لینے کی تلقین ہے، روزہ دوسروں کی تکلیف محسوس کرنے اور مشاکل کا مقابلہ کرنے کی تربیت کا ذریعہ ہے، ساتھ ہی یہ دوسروں کی غم خواری کا بھی باعث ہے، اسی لئے رمضان کو ﴿شَهرَ الْمُوَاسَاةُ﴾ (غم خواری کا مہینہ) کہا گیا ہے، انسانی خدمت اور حسن سلوک مثلاً راستے سے کانٹا ہٹانا، بھلائی کا حکم، برائی سے روکنا، کمزور کو سواری پر سوار کرنا، مخالفوں میں صلح کرانا، دوسرے سے مسکرا کر خندہ جبینی سے ملنا، بھلی بات بولنا وغیرہ کو صدقہ اور عظیم اجر کا کام بتایا گیا ہے۔

اللہ نے انسان کو خلافت ارضی، سب سے بہتر سانچہ میں تخلیق، روحانیت، اور تمام

مخلوقات کو خدمت انسانی میں لگانے کے ذریعہ انسان کو بہت بلند کردیا ہے، اور زندگی، کرامت اور آبرو کی حفاظت، غور وفکر، عقیدہ، تعلم، ملکیت، امن، اظہار رائے وغیرہ کے حقوق پورے طور پر انسان کو دیئے ہیں، اور اخوت ومساوات کے عالم گیر اصولوں سے نفرت واختلاف اور طبقاتی اونچ نیچ کی ہر لعنت پر قدغن لگادی ہے، جس سے ہر صاحب شعور یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ اسلام انسانیت کا جتنا خیال رکھتا ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں، اور اسی لئے یہ ربانی اور انسانی دونوں پہلوؤں کا جامع مذہب ہے۔

اسلام ایک امن پسند مذہب ہے

ذرائع ابلاغ کی بددیانتی اور جانبدارنہ پالیسی ہی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلام کو ظلم وبربریت، وحشت ودہشت کا مذہب قرار دیئے جانے کی ہمہ جہتی کوششیں ہورہی ہیں، میڈیا اس وقت اپنی خبروں، رپورٹس، تبصروں، تجزیوں، پروگراموں، فلموں، انٹرویوز، ٹریجڈی وکامیڈی ہرطرح کی تخلیقات اورتمام کالموں کے ذریعہ یہ تأثر عام کرنے کی فکر میں ہے کہ اسلام اورامن دونوں میں کوئی جوڑ نہیں ہے، دوالگ الگ کنارے ہیں جنھیں ایک نہیں کیا جاسکتا۔

جب کہ اسلامی تعلیمات کا ایک طائرانہ مطالعہ اور جائزہ بھی اس طرح کے تأثر کی تغلیط کے لئے کافی ہے، اسلام فی الواقع امن ومحبت، وحدت وسلامتی اورانصاف وعدل کی جس طرح نمائندگی کرتا ہے کوئی دوسرا مذہب یا تہذیب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اہم مقصد بیان کیا گیا ہے کہ:

وَمَا أَرۡسَلۡنَاکَ إِلَّا رَحۡمَةً لِلۡعَالَمِيۡنَ. (الانبیاء)

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے اورتمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

اسلام سراپا رحمت ہے، دہشت گردی، شدت وتشدد اورظلم وبربریت سے اس کا ہرگز کوئی ناطہ نہیں ہے، اسلام غیرمسلموں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ ومشاہدہ کریں اوراسلام کے قریب آئیں، مسلمانوں کو یہ تاکید کرتا ہے کہ غیرمسلموں خصوصاً

اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو حکمت ودانائی کے ساتھ نصیحت کریں، سمجھائیں، انہیں اسلام کے قریب لائیں، کوئی تنازعہ، عداوت اور بغضِ بیجا نہ ہو، قرآن میں فرمایا گیا ہے:

وَلاَ تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ، إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ، وَقُوْلُوا آمَنَّا بِالَّذِیْ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ، وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ. (العنكبوت:٤٦)

اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں، اور ان سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مطیع ہیں۔

آیت صاف واضح کر رہی ہے کہ متبعین اسلام ہر مرحلہ پر شائستگی، شرافت اور معقولیت کا ثبوت دیں، سختی کا جواب نرمی سے، غصہ کا جواب حلم سے اور جاہلانہ گفتگو اور شوروغوغا کا جواب نرم اور باوقار گفتگو سے دیں، ہاں اگر مثبت وسنجیدہ گفتگو اور معقولیت کے مقابلہ میں مخاطب عناد وہٹ دھرمی سے کام لے تو اس کا جواب عاجزی ومسکینی سے نہیں بلکہ ترکی بہ ترکی دیا جاسکتا ہے، مگر اس صورت میں بھی بہتر یہی ہے کہ نرمی اور معقولیت کو پیش نظر رکھا جائے، قرآن کی سورۂ نحل میں مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ بھی اسی طرح کے سلوک کی ہدایت کی گئی ہے، فرمایا گیا:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ. (النحل: ١٢٥)

آپ اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ پند ونصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور لوگوں سے بہترین طریقہ پر مباحثہ کیجئے۔

قرآن میں جگہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کواور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے تمام مسلمانوں کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ عفوودرگذر کا طریقہ اختیار کیا جائے، برائی کو اچھائی سے دور کیا جائے، صبر وتحمل اور ضبطِ نفس کی عادت ڈالی جائے اور کسی بھی مرحلہ پر دامنِ عدل وانصاف ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، اصل فکر یہ رہے کہ مخاطب کے دل میں حق اتار دیا جائے اور راہِ راست دکھادی جائے، دلائل اگر معقول ہوں گے، اسلوب متین ومہذب ہوگا، افہام وتفہیم کی غرض سے گفتگو ہوگی تو ضرور مخاطب کے افکار کی اصلاح ہوگی، قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ نرمی اور درشتی میں نرمی کو اختیار کرنے کے کیا نتائج سامنے آتے ہیں۔

لاَ تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلا السَّیِئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ. (حم السجدة: ٣٤)

''بھلائی اور برائی یکساں نہیں ہیں، (مخالفین کے حملوں کی) مدافعت ایسے طریقہ سے کرو جو بہترین ہو تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت تھی وہ ایسا ہوگیا جیسے گرم جوش دوست ہے''۔

اسلام اتنا امن پسند مذہب ہے کہ وہ حالتِ جنگ میں بھی مسلمانوں کو ظالمانہ کارروائیوں سے روکتا ہے، بے قصوروں کو چھیڑنے سے منع کرتا ہے، وحشیانہ حرکتوں پر ٹوکتا ہے اور یہ حکم دیتا ہے کہ:

وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ، إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (الانفال:٦١)

اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہوجاؤ، اور اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

جو ہاتھ صلح کی پیش کش کے جواب میں صلح کے لئے بڑھیں وہ اخلاقی اسپرٹ بیدار

کرنے میں بے حد ممدّ ومعاون ثابت ہوتے ہیں اور وہ چومنے کے قابل ہیں، بلکہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ:

لاَ يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. (الممتحنة/٨)

اللہ تمہیں اِس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

جو غیر مسلم مسلمانوں کے درپئے آزار نہ ہوں، سازشی نہ ہوں ان کے ساتھ برّ واحسان، خیر خواہی وہمدردی، نفع رسانی، مواسات ومدارات سب کا حکم ہے، البتہ جو سازشی یا درپئے آزار ہوں تو ان کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری نہ کی جائے گی، عدل وانصاف تمام غیر مسلموں کے ساتھ ہوگا خواہ وہ درپئے آزار ہوں یا نہ ہوں، ایسے ہی ظاہری خوش خلقی (مصالح کی رعایت کے ساتھ) اور معاملاتِ تجارت وغیرہ کا جواز بھی تمام کافروں کے ساتھ ہے بشرطیکہ اس میں خود مسلمانوں کا نقصان نہ ہو، البتہ قلبی دوستی ہر غیر مسلم سے حرام ہے۔

سیرت نبوی اور سیر صحابہ وتابعین و مصلحین میں اس طرح کی مثالیں بھری پڑی ہیں کہ غیر مسلموں سے خوشگوار تعلقات رہے، ان کے ساتھ نرمی وانصاف کا ہر موقعہ پر لحاظ کیا گیا، کفار کے ساتھ احسان، مواسات، خوش خلقی اور نرم روئی کا جیسا معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی، فتحِ مکہ کے موقعہ پر تمام دشمنانِ دین کو یک لخت معاف کر دینا آپ کی غایتِ رحمت تھی اور اسی وجہ سے آپ نے ان کے دل جیت لئے تھے

اور حلقۂ اسلام بے حد وسیع ہو گیا تھا، مکہ کے لوگوں کو قحط کا سامنا ہوا تو آپ نے بروقت ان کی امداد فرمائی، غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ سگے بھائیوں جیسا سلوک فرمایا، طائف میں لہولہان ہوئے پھر بھی دعائے ہدایت کی، کبھی انتقام نہ لیا۔

خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں نرمی اور صبر کو نمایاں مقام حاصل ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ:

إِنَّ الرِّفْقَ لَايَكُونُ فِيْ شَيْئٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَايُنْزَعُ مِنْ شَيْئٍ إِلَّا شَانَهُ. (مسلم)

درحقیقت نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اس کو زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال لی جاتی ہے وہ عیب دار ہو جاتی ہے۔

نرمی، ملائمت، فروتنی، اپنے ساتھیوں کے لئے مہربان ونرم خو ہونا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنا اور ہر کام اطمینان وخوش اسلوبی سے انجام دینا مطلوب ہے جب کہ سختی، ترش روئی، درشتی، بدمزاجی اور بدخلقی مذموم خصلتیں ہیں، اخلاقیات میں اس کو بنیادی دخل ہے کہ انسان لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور درشتی وسختی کا رویہ اختیار نہ کرے، ایک حدیث میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يِحِبُّ الرِّفْقَ فِيْ الْأَمْرِ كُلِّهِ. (بخاری)

بلا شبہ خداوند قدوس خود مہربان ہے اور ہر معاملہ میں نرمی ومہربانی پسند فرماتا ہے۔

خود اللہ کی یہ صفت بتائی جارہی ہے کہ وہ بڑا نرم ومہربان ہے، اور نرمی ومہربانی اس کی ذاتی صفت ہے، اور اسے یہ بات خوب پسند ہے کہ اس کے بندے باہم نرمی ومہربانی کا رویہ اپنائیں بلکہ ایک حدیث میں مزید تشریح ہے کہ:

يَعْطِيُ عَلَىٰ الرِّفْقِ مَا لَايَعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَايَعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ. (مسلم)

وہ نرمی پر اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا اور جتنا نرمی کے سوا کسی دوسری چیز پر بھی نہیں عطا فرماتا۔

خداوند قدوس کا نرمی ومہربانی کو پسند فرمانا خود بندگانِ خدا کے منافع ومصالح کے پیش نظر ہے کہ باہم نرمی وشفقت اور مروت ومہربانی کے جذبات کو فروغ دینا اور پروان چڑھانا ایک ایسی امتیازی خوبی اور کمال ہے جس کے ذریعہ پورے معاشرہ کو اطمینان وسکون عطا کیا جاسکتا ہے اور متنوع پریشانیوں اور تکلیفوں سے بچایا جاسکتا ہے۔اسی لئے جس معاشرہ میں یہ عنصرِ مودّت پیدا ہوجاتا اور جڑ پکڑ لیتا ہے وہ انتہائی امن وسکون اور راحت وچین کی زندگی بسر کرتا ہے اور اس نرمی پر اس کو منجانب اللہ بڑے عطیات اور فراخیوں اور اجور سے نوازا جاتا ہے اور مقاصدِ حسنہ میں کامیابی عطا کی جاتی ہے۔

بعض حضرات اپنے معاملات اور طبیعتوں میں سخت ہوتے ہیں اور بعض نرم ومہربان، ناواقف حضرات یہ باور کرتے ہیں کہ سخت رویہ سے مقاصد میں جلد کامیابی مل جاتی ہے اور لوگوں پر رعب پڑتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کی تردید اور اصلاح فرمائی ہے، اور نرمی ومہربانی کو اللہ کی ذاتی صفت قرار دیا ہے، اور اسے اللہ کی محبوب چیز بتایا ہے، اصلاً مقاصد کی تکمیل وعدم تکمیل تو اللہ کی مشیت اور ارادہ پر موقوف ہے، مگر اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ نرمی پر اپنے عطیات کا ابرِ کرم برساتا ہے اور کسی چیز پر اتنی داد ودہش نہیں فرماتا جتنی نرمی پر فرماتا ہے، نرمی ہی وہ صفت ہے جو اللہ کی مہربانی اپنی طرف منعطف کرانے کا واحد ذریعہ ہے۔

نرمی ہر چیز کو زینت بخشتی ہے، جمال وکمال عطا کرتی ہے، اور درشت خوئی ہر چیز کو

عیب دار بناتی ہے، ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک اونٹ پر سوار ہونا چاہا تو وہ بدکا، تو انھوں نے اسے سخت سست کہا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! نرمی کرو، مہربانی سے کام لو، درشتی نہ کرو، برا بھلا مت کہو، نرمی ہر چیز کو زینت عطا کر دیتی ہے اور سختی عیب پیدا کر دیتی ہے۔

احادیث میں ایک اعرابی کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ اسے مارنے اور ہٹانے دوڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور وہاں پانی ڈال دو، تم آسانیاں کرنے والے بنائے گئے ہو نہ کہ سختیاں کرنے والے، اسی لئے ایک حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا. (بخاری و مسلم)

تم آسانی و نرمی کرو، سختی نہ کرو اور مشکلات نہ پیدا کرو۔

حدیث ہی کا مضمون ہے کہ جس میں نرمی کی صفت نہیں ہوتی وہ خیر سے محروم ہوتا ہے، انسان کی اکثر خوبیوں کا سرچشمہ نرم روی اور مہربانی ہے، ظاہر ہے کہ جب نرم روی نہ رہے گی تو ہر طرح کی اچھائی سے لازماً محرومی ہوگی۔

مشہور صحابی حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ:

میں مدینہ میں دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، میں نوعمر تھا، اس لئے میرا ہر کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق نہ ہوتا تھا اور نوعمری کی وجہ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اف کہہ کر بھی نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا؟ (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی خوئی کا ذکر قرآن میں بھی کیا گیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران:۱۵۹)

یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے گردو پیش سے چھٹ جاتے۔

مطلب یہ ہے کہ دعوت اسلامی کی تیز رو کامیابی اور مقبولیت کا سہرا بفضلِ خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں نرمی اور مزاج میں سرتاسر شفقت کے سر بندھتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کے دل بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کھنچتے اور آپؐ دلوں کو فتح نہ کر پاتے۔

بہر حال نرمی اور ملاطفت بہت ہی محمود اوصاف ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ شریعت میں اس کی بھی حدود مقرر ہیں، جہاں دین کی توہین ہو رہی ہو یا احکامِ دین کے اجراء کی ضرورت ہو، وہاں سختی اور سزا لازمی ہو جاتی ہے، اور ایسے مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے انتہا سخت ہو جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، بقیہ عام حالات میں درشت خوئی اور غلظتِ قلب طبعی طور پر لوگوں کو بھگاتی، دور کرتی اور متنفر کرتی ہے۔

داعئ دین اور عالم ومبلغ کو خصوصاً بہت خوش خلق اور خندہ رو ہونا چاہئے، دین کی طرف لوگوں کا کشاں کشاں آنا اسی طرح ممکن ہے، جب کہ خشونت اور تنگدلی کا اظہار دعوت وتبلیغ کی راہ کا سب سے بڑا روڑا اور مانع ہے، ہر شب کو سحر کرنے کی کوشش اسی وقت کامیاب ہوگی جب وسعت ونرمی ہو اور درشتی وبیزاری کا نام ونشان تک نہ ہو، یہی تمام خیر کی اساس اور اصل ہے اور اس سے محرومی بہت بڑا خسارہ ہے۔

اسلام کی ان اعلیٰ تعلیمات کو پیش کرنے کے بجائے اسے تشدد وظلم کا دین ظاہر کرنے

کی جو کوششیں میڈیا کر رہا ہے وہ عصر حاضر کا ایک زبردست المیہ اور حق و واقعیت کے ساتھ بھیانک ناانصافی اور ظلم ہے، اسلام کی تمام تعلیمات جس جوہرِ اعتدال سے آراستہ ہیں وہ ایک گوہر نایاب ہے، جنس گراں مایہ ہے جو خال خال بھی نہیں ملتی ہے۔

ظالم کے ظلم کا دفاع اور اپنا بچاؤ اسلام میں فرض ہے، یہ تشدد نہیں ہے، امن پسندی ہے، اب جو لوگ اسلام کا مطلب یہ سمجھنا چاہتے ہوں کہ ظالم کے ظلم کا دفاع بھی نہ کیا جائے اور ہر وار سہ لیا جائے تو وہ جان لیں کہ اسلام اور اہل اسلام نرم چارہ نہیں ہیں اور وہ تر نوالہ نہیں ہیں، بلکہ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکو اور مظلوم کا ساتھ دو۔

امن پسندی کی یہ تشریح کہ ’’ظالم کا ظلم برداشت کرلیا جائے اور اسے شیر بنے ہی رہنے دیا جائے اور اپنے کو بزدل ظاہر کیا جائے‘‘ ایک غیر اسلامی تشریح ہے، اسلام کی امن پسندی وہ ہے جسے اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

انسانیت پر اسلام کے عطیات

اِس وقت میڈیا اور اخبارات میں حقوقِ انسانی کے تعلق سے بڑا شور وغوغہ بپا ہے، متنوع افکار ومضامین اور آراء وخیالات سامنے آرہے ہیں، مغربی تہذیب کے علمبرداروں اور دنیا کے ٹھیکیداروں کو حقوقِ انسانی کے تحفظ اوراس کی اہمیت کے زبانی اور رسمی (نہ کہ عملی اور قلبی) اعتراف کا خیال اب ہوا ہے، جب کہ آج سے تقریباً پندرہ صدی قبل ہی اسلام نے (جسے آج حقوقِ انسانی کا سب سے بڑا مخالف بتایا جارہا ہے) اور اسلام کے پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوقِ انسانی کی اہمیت اجاگر کی تھی، اور اُس ماحول میں اجاگر کی تھی جب ہر طرف جہالت وضلالت، ظلم وجور، جنگ وجدال، تعصب وعناد کے تاریک سائے چھائے ہوئے تھے۔

ہجرت کے دسویں سال ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو موجِ سمندر کی طرح امڈے ہوئے ہجومِ انسانی کو بلاواسطہ اور قیامت تک آنے والے ہر فردِ بشر کو بالواسطہ مخاطب کرتے ہوئے سرکارِ دوعالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوقِ انسانی کے عالمی منشور کا کھلے لفظوں اعلان کیا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ:

> ہر انسان جان محترم ہے، مال محترم ہے، آبرو محترم ہے، امانت کی ادائیگی سب کا لازمی فرض ہے، سود حرام ہے، سب کا رب بھی ایک ہے اور باپ بھی ایک، سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا، کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں، معیارِ فضیلت صرف تقویٰ ہے۔

قرآن میں اعلان کردیا گیا کہ ہرانسان ایک مرد وعورت کے اختلاط سے وجود میں آیا ہے، قبائل اور خاندان ذریعۂ تعارف ہیں نہ کہ ذریعۂ تفاخر، سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ خداترس ہو۔

اسلام کی نگاہ میں انسان بے مقصد اور عبث نہیں پیدا کیا گیا ہے، اسے پابند بنایا گیا ہے، اسے ذمہ داری اور مسئولیت دی گئی ہے جس کے بارے میں اس سے باز پرس ہوگی اور اسے جوابدہی کرنی ہوگی، اور فی الواقع یہی ذمہ داری انسان کا امتیاز ہے، اور یہی اس کے تزکیہ اور رفعت وبلندی کا ذریعہ بھی ہے، اسلام نے انسان کے ہر حق کا مکمل تحفظ کیا ہے، اس کو اپنی یا دوسروں کی ہلاکت اور ایذارسانی کی ہر صورت اپنانے سے سختی سے روکا ہے، قرآن میں وارد ہوا ہے کہ:

لاَ تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا. (النساء/۲۹)

خودکشی مت کرو، اللہ تم پر مہربان ہے۔

اور

وَلاَ تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ. (الاسراء/۳۳)

اللہ کی حرام کردہ جان کو قتل مت کرو مگر حق کے ساتھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو پہاڑ سے گرا کر اپنے کو ہلاک کرلے وہ ہمیشہ جہنم کے پہاڑ سے اسی طرح گرتا رہے گا اور سزا بھگتا رہے گا، اور جو زہر کھا کر مرجائے وہ ہمیشہ جہنم میں اسی طرح زہر کھاتا رہے گا۔ (مسلم)

اور

انسان اللہ کی بنائی ہوئی عمارت ہے، جو اسے منہدم کرے (انسان کو قتل

کردے) وہ ملعون ہے۔ (ترمذی)

اسلام نے انسان کے لئے رزق کے دروازے کھول رکھے ہیں، حلال وطیب کے التزام کی شرط کے ساتھ ہر طرح کی اجازت اور اختیار و انتظام کر رکھا ہے، قرآنی صراحت کے بموجب:

> اللہ نے تمہارے لئے زمین کو ہموار کر رکھا ہے، اس کے راستوں میں چلو، اور اللہ کا رزق تلاش کرو۔ (الملک/ ۱۵)

اسی طرح اسلام نے اعتدال کی شرط کے ساتھ تمام طیبات ولذائذ سے تمتع کی اجازت دی ہے، اور انسان کو اس کے فطری ذوق کے پیش نظر زینت، حسن صورت اور درستگیٔ وضع قطع کے اہتمام کی اجازت بھی عطا کی ہے، اور اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ:

> اللہ خوبصورت ہے، خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، اور صاف ستھرا ہے، صفائی کو پسند کرتا ہے۔ (مسلم)

اسلام انسان کو مالکانہ حق بھی عطا کرتا ہے، اپنی مملوکہ چیز کے دفاع وحفاظت کی تاکید بھی کرتا ہے، روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اگر کوئی آدمی میرا مال لینا چاہے تو میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے اپنا مال مت دو، اس نے کہا کہ اگر وہ لڑائی پر آمادہ ہو جائے تو؟ فرمایا کہ تب تم بھی اس سے لڑائی کرو، اُس نے کہا کہ اگر لڑائی میں وہ مجھے مار ڈالے؟ فرمایا کہ تب تم جنت میں جاؤ گے، اس نے کہا کہ اگر میں اُسے ماردوں تو؟ فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو مالکانہ حق حاصل ہے اور اسے یہ اجازت ہے کہ اس حق کو سلب کرنے کا ہر طرح سے مقابلہ کرے۔

اسلام رحمت اور شفقت کا منادی ہے، وہ بے رحم کو بدبخت بتاتا ہے، وہ انسان کی

تذلیل کو جرم بتاتا ہے، اسلام کی نگاہ میں دوسروں کی ایذا رسانی کبیرہ گناہ ہے، ایک آدمی کو نقصان پہونچانا اسلام کے نزدیک پوری کائنات کو نقصان پہونچانا ہے، کونسی وہ آزادی ہے اور کونسا وہ شرف ہے جو اسلام نے انسانیت کو بخشا نہیں ہے؟ اسلام ہر جگہ انسان کی رفعت چاہتا ہے، وہ انسان کو عبودیت، بندگی، تواضع، ایثار، اور حسنِ خلق کی تعلیم اسی لئے دیتا ہے کہ اس میں انسانی رفعت اور کمال وترقی کا راز مضمر ہے۔

اسلامی تربیتی نظام کے چند بنیادی

عناصر

اسلام کا تربیتی نظام اپنے کمال و جمال، اعتدال وتوازن، جامعیت اور نفسیات کی رعایت کے لحاظ سے کامل ترین اور ممتاز ترین نظام ہے، اور اسی نظام کی اثر انگیزی اور سحر آفرینی ہے کہ غیر مسلم بھی اس کی خصوصیات تسلیم کرتے ہیں اور اسے دیگر تمام متوازی نظاموں سے فائق و برتر قرار دینے پر خود کو مجبور مانتے ہیں۔

(۱) عقیدۂ توحید

اسلام کے تربیتی نظام کا سب سے مقدم اور اہم عنصر خدائے واحد پر ایمان واعتقاد ہے، اس کائنات کی حقیقت اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا صحیح ادراک واحساس اس عقیدہ کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا، ایمان باللہ ہی انسان کے اطمینانِ قلب کا اور ہر نوع کی سرگشتگی، خوف، بے اعتمادی، ناامیدی اور مایوسی سے بچاؤ کا واحد ذریعہ ہے، انسان جب صدقِ قلب سے خدائے واحد پر ایمان لے آتا ہے تو پھر اس کی زندگی کے رنگ ڈھنگ بدل جاتے ہیں، پھر وہ خواہش پرستی، مادیت اور اتباعِ ہویٰ کے بجائے اعلاء کلمۃ الحق کے مشن میں لگ جاتا ہے اور اس کا مطمحِ نظر صرف دعوتِ ایمان کے دائرہ کو وسیع کرنا ہی ہوتا ہے اور اس

مقصد کے لئے وہ ہر طرح کی قربانیاں بڑی خوشی سے سعادت سمجھ کر دیتا ہے۔

اس کی سب سے بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کاموں کو اپنے فرائض (Duty) کا حصہ باور کرتا ہے، قرآن کریم میں مذکور ہے کہ انسان کا مقصد تخلیق خدائے واحد کی بندگی اور عبادت ہے، عبادت ایک بہت ہی جامع اور وسیع لفظ ہے، اخلاص اور طلب رضائے الٰہی کے جذبہ سے کیا جانے والا ہر دینی و دنیوی کام عبادت میں داخل ہے، اور یہ اسلام کا بنیادی امتیاز ہے کہ اس میں دین و دنیا کی کوئی تمیز نہیں ہے بلکہ اخلاص کے ساتھ کیا گیا دنیوی کام محض صلاحِ نیت کی وجہ سے دین بن جاتا ہے اور اخلاص سے محروم بڑے سے بڑا دینی عمل فسادِ نیت کی وجہ سے دین سے خارج سمجھا جاتا ہے۔

مؤمن کامل اپنا ہر عمل اخلاص واحتساب کے ساتھ کرتا ہے اور اپنی ہر ممکنہ طاقت استعمال کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین اس کی زندگی کا اٹوٹ حصہ بن جاتا ہے، پھر نہ اسے خوف سے دبایا اور طمع سے خریدا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر اضطراب اور بے اعتمادی کا سامنا ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ ہر واقعہ پر راضی برضا رہتا ہے اور خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس ہمہ وقت اسے لرزاتا اور تڑپاتا رہتا ہے، گویا اُسے احسان کی وہ کیفیت مل جاتی ہے جس کے بموجب وہ اللہ کی بندگی اس احساس کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ اللہ کو یا کم از کم اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، یہی وہ کیفیت ہے جو ایک بندۂ مؤمن کو ایمان کے بامِ عروج تک پہونچا دیتی ہے، اور یہ کیفیت پیدا اسی وقت ہوتی ہے جب عقیدۂ توحید دل میں پوری طرح راسخ اور جاگزیں ہو جائے اور کوئی چیز اس میں ذرا سا بھی تزلزل اور تردد نہ پیدا کر سکے۔

(۲) روحانیت و مادیت کا جامع امتزاج

اسلامی نظام تربیت کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ روحانیت و مادیت کے

صحیح اور معتدل امتزاج کو کمالِ انسانیت باور کرتا ہے، ایک طرف اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ انسان اللہ سے اپنا رابطہ اٹوٹ اور پائیدار رکھے اور کسی بھی لمحہ میں یہ رابطہ ٹوٹنے نہ دے کیونکہ روحانی قوت اسی طرح پیدا ہو سکے گی جو انسان کی سب سے اہم اور اولین طاقت ہوتی ہے، وہیں دوسری طرف اسلام انسان کی کمزوریوں، بشری خامیوں کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے، اور اسی کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ، وَخُلِقَ الإِنْسَانُ ضَعِيْفاً.(النساء:۲۸)

اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا گیا کہ:

لاَيُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَهَا، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ.(البقرة:۲۸۶)

اللہ کسی متنفّس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا، ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کے لئے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اُسی پر ہے۔

انسان جسم وارادہ دونوں اعتبار سے کمزور ہے اسی لئے تمام احکام شریعت میں انسان کے جسمانی ضعف اور ارادی کمزوری کا لحاظ رکھا گیا ہے اور سہولتیں دی گئی ہیں، اللہ خود فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرة: ۱۸۵)

اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا۔

شریعت اسلامی کے سارے اصول اسی پر مبنی ہیں، ایک مفسّر نے خوب لکھا ہے:

حدیث نبوی میں جو آیا ہے: ﴿دِیْنُ اللّٰہِ یُسْرٌ﴾ وہ اسی آیتِ قرآنی کی شرح یا تتمہ ہے، اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملے گا جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جثہ، موسم اور دوسری مشکلات کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو، اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں ان کی تہہ میں بھی ہمیشہ یہی حقیقت پائی جائے گی کہ فرد یا امّت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔ (تفسیر ماجدی: ج ۱ ص: ۳۴۱)

اسی لئے اسلام نے ایسے احکام نہیں دیئے جو فطرتِ بشری سے ہم آہنگ یا نفسیات وحالات کی رعایت کرنے والے نہ ہوں، بلکہ اسلام سہولت واعتدال کے پہلو کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔

انسان میں موجود کمزوری اور مادیت کے پہلو ہی کے پیش نظر توبہ واستغفار کو مشروع کیا گیا ہے، حدیث میں بڑی وضاحت سے فرمایا گیا ہے کہ:

كُلُّ بَنِی آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّاءِ يْنَ التَوَّبُوْانَ.

کونسا فرزند آدم وہ ہے جو خطا کار نہ ہو، مگر خطا کاروں میں بہتر توبہ کرنے والے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ کار سب سے اہم نمونہ ہے، روایات میں آتا ہے کہ آپ گناہوں سے کوسوں دور تھے مگر جائز اختیاری امور میں آپ کی نظرِ انتخاب ہمیشہ اسی کام اور پہلو پر رہتی تھی جو آسان ترین ہو اور جس پر عمل دشوار نہ ہو۔

(۳) توازن

اسلامی نظام تربیت ہر قسم کے افراط وتفریط اور غلو و بے اعتدالی سے پاک ہے، اور اس

کے ہر شعبہ میں توازن واعتدال کا جوہر نمایاں رہتا ہے، اسلام فرد کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر کچھ انفرادی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے اس لئے کہ:

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْداً. (مریم: ۹۵)

سب لوگ قیامت کے روز فرداً فرداً اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

معاشرہ فی الواقع افراد کے مجموعہ کا نام ہے، صالح معاشرہ ان صالح افراد سے مرکّب ہوتا ہے جو اپنی ذمہ داریاں جانتے اور نبھاتے ہوں اور ہر مرحلہ پر حق کی پاسداری کرتے ہوں اور باطل ومنکر کے لئے پھلنے پھولنے کا کوئی بھی موقعہ نہ رہنے دیتے ہوں، مگر جب معاشرہ میں ایسے افراد آجاتے ہیں جو صحیح اور راست روش سے انحراف کے عادی ہوں تو پھر پورا معاشرہ تباہی کے دہانہ پر آجاتا ہے، اور اگر غلط کاروں کا قلع قمع نہ ہو تو تباہی کے وقوع میں کچھ بھی دیر نہیں لگتی، معاشرہ تمام افراد کی راست روی سے ہی درست رہ سکتا ہے ورنہ ؎

چوں از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ کِہ را منزلت باشد نہ مِہ را

قوم کے کسی ایک فرد کی بے عقلی قوم کے ہر چھوٹے بڑے کی عزت کو ملیا میٹ کر دیتی ہے۔

معاشرہ کے بگاڑ پر خاموشی بگاڑ کو بڑھاوا دینا ہے، بگاڑ لانے والوں اور اس پر خاموش تماشائی بنے رہنے والوں کی صحیح ترین تصویر کشی ایک حدیث میں کی گئی ہے کہ:

گنہ گار اور گناہوں پر خاموش تماشائی افراد کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دو منزلہ کشتی ہو جس میں کچھ لوگ نچلی منزل میں اور کچھ بالائی منزل میں سوار ہوں، نیچے والوں کو پانی لینے اوپر جانا پڑتا ہو، اب وہ یہ سوچیں کہ بار بار اوپر جانے کی زحمت سے بچاؤ کے لئے نیچے ہی سوراخ کرلیں، اب اگر اوپر کے لوگ نیچے

والوں کو سوراخ کرنے سے روک لیں تو ان کی بھی جان بچے گی اور نیچے والوں کی بھی، مگر اگر نہ روکیں تو دونوں تباہ ہوں گے۔ (مشکاۃ المصابیح)

معاشرہ میں ہونے والے گناہوں پر خاموشی بالآخر پورے معاشرہ کی تباہی پر منتج ہوتی ہے، گناہوں کا انگیز کرلینا خود گناہ ہے اور

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں قوموں کے گناہوں کو معاف

انسان پر اسلام نے کچھ ذمہ داریاں اس کی انفرادی حیثیت سے عائد کی ہیں اور کچھ ذمہ داریاں اُس کے جزوِ معاشرہ ہونے کی حیثیت سے، قرآن میں تمام مسلمانوں کو حکم ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (المائدہ:۲)

نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں سب سے تعاون کرو اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔

یہ متنوع انفرادی واجتماعی ذمہ داریاں دراصل اسلامی نظامِ تربیت کے توازن کی نمایاں مظہر ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تقسیم بھی اسی طرف مشیر ہے، حقوق العباد کو جو خاص اہمیت اسلام نے دی ہے وہ اس کے توازن واعتدال کا ثمرہ ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ:

اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی مسجد نبوی کے ایک ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

اس سے حقوق العباد کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اِس طرح اسلام نے اس تصور پر ضرب لگائی ہے کہ دین کو صرف عبادات وحقوق اللہ

میں منحصر سمجھا جائے اور حقوق العباد کی ادائیگی کو جزوِ دین یا قابلِ توجہ نہ سمجھا جائے، اِس توہّم کو اسلام نے اِس طرح زائل کیا کہ حقوق العباد کو بہت سے مواقع پر حقوق اللہ سے اہم قرار دیا، مثلاً کسی مسلمان کا دل خوش کر دینا حقوق العباد میں ہے اور بظاہر چھوٹی سی عبادت ہے مگر اللہ کی نگاہ میں اس کا وزن اتنا زیادہ ہے کہ اس کا شمار و حساب نہیں بلکہ ع

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است

اسلام کے تمام احکام میں اسی توازن کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی ہے، مال و دولت کو خرچ کرنے کے باب میں ایک طرف فضول خرچی سے منع کیا گیا اور اسے مبغوض ترین قرار دیا گیا ہے، وہیں دوسری طرف بخل اور تنگی سے بھی روکا گیا ہے، قرآن کہتا ہے:

لاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْماً مَّحْسُوراً، إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ، إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيْراً بَصِيْراً. (بنی اسرائیل: ۲۹-۳۰)

نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ، تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انھیں دیکھ رہا ہے۔

اسلامی نظامِ تربیت انسان کے جسم و روح و عقل سب پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے تاکہ انسان اس کائنات میں اپنا فرض بحسن وخوبی ادا کر سکے اور اپنی تمام روحانی و جسمانی و عقلی قوتیں پورے توازن کے ساتھ استعمال کرے۔

(۴) عموم و جامعیّت

اسلامی نظامِ تربیت کی تعلیمات وہدایات انسان کی انفرادی، اجتماعی، خانگی، داخلی،

وخارجی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں اور اساسی لحاظ سے ان تعلیمات کو عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق کے پانچ شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ان تعلیمات کا منبع ومصدر بھی ایک ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے، اور ان کا مخاطب اور موضوع بھی ایک ہے اور وہ انسان ہے۔

اللہ وحدہٗ لاشریک لہ انسان کی ہمہ نوعی اور ہمہ جہتی تربیت کا حکم دیتا ہے، عقائد میں بنیادی طور پر توحید ورسالت، آخرت، بعث بعد الموت، ملائکہ وتقدیر وغیرہ شامل ہیں، عبادات میں ارکان خمسہ وغیرہ ہیں، معاملات میں تجارت، کاروبار، لین دین، زراعت وغیرہ آتے ہیں، معاشرت میں انسان کی اجتماعی وانفرادی زندگی اور اخلاق میں انسانی سیرت وکردار آتے ہیں، عقائد میں پختگی اور تسلیم ورضا کی کیفیت عبادات سے پیدا ہوتی ہے، معاملات میں اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ غلط راہ اختیار نہ کی جائے اور تراضی (باہمی رضا مندی) کو اولین اہمیت دی جائے، اور کسبِ مال کے مشروع طریقے اختیار کئے جائیں۔

اسلام وہ راستے اختیار کرنے سے روکتا ہے جن پر چلنے سے دوسروں پر ظلم یا دوسروں کی ایذا رسانی ہوتی ہے یا جو دولت کو ایک خاص طبقہ میں محدود کر دیتے ہیں، معاشرت کا اسلامی نظام بہت جامع اور وسیع ہے جس میں اتحاد، مساوات، مواسات، اخوت، بھائی چارگی اور غم گساری کو اولیت حاصل ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ. (متفق علیہ)

مگر اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ دوسرے کو اپنے طرزِ عمل سے ایذا نہ دی جائے، حدیث میں ہے کہ:

مسلمان وہ ہے جس کی دست درازیوں اور زبان درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں۔

اخلاق کے باب میں سیرت وکردار کی صحیح اسلامی خطوط پر تعمیر اصل ہے، اخلاق کا سب سے عالی نمونہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہیں، اورانھیں کی پیروی اور تقلید مطلوب ہے۔

(۵)عقل انسانی کا متوازن استعمال اوراس سے استفادہ

اسلام میں عقل اور مذہب کے درمیان کوئی تصادم اورٹکراؤنہیں، بلکہ اسلام مشاہدۂ کائنات اوراسرارِکون کی تلاش وآ گاہی کے لئے عقل کے استعمال کاحکم بھی دیتاہے،ظاہرہے کہ یہ کائنات اللہ کے قانون اورمشیت کے اقتضاء کے مطابق رواں دواں ہے، اسلام اندھی تقلیداورتعصّب آمیز جمود سے منع کرتاہے۔قرآن فرماتاہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا، أَوَلَوْكَانَ آبَاؤُهُمْ لايَعْقِلُوْنَ شَيْئاً وَلا يَهْتَدُوْنَ. (البقرة: ۱۷۰)

کافروں سے جب کہاجاتاہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم اسی طریقہ کی پیروی کریں گےجس پرہم نے اپنے آباء واجدادکوپایاہے،اچھااگراِن کےآباءواجداد نےعقل سے کچھ بھی کام نہ لیاہواور راہِ راست نہ پائی ہوتوکیاپھربھی یہ انھیں کی پیروی کیے چلے جائیں گے۔

بتایاگیا کہ یہ جموداوراندھی پیروی عین جہالت وضلالت ہے، بلکہ قرآن اپنی عقل کےاستعمال،تفکروتدبراورفہم وفکرکی دعوت دیتاہے:

اُنْظُرُوا مَاذَا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (یونس ۱۰۱)

زمین وآسمان میں جوکچھ ہےاُسےآنکھیں کھول کردیکھو۔

اسلام انسان کی نظر کائنات کی طرف ملتفت کرتا ہے تاکہ وہ اس کے نظام وقانون کو سمجھے اور اسے عبث اور بے مصرف نہ قرار دے، قرآن کہتا ہے:

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا، وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ، وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ، وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ، هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ، فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ، بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ. (لقمان: ۱۰، ۱۱)

اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جو تمہیں نظر آئیں، اس نے زمین میں پہاڑ جما دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائیں، اس نے ہر طرح کے جانور زمین میں پھیلا دیئے اور آسمان سے پانی برسایا اور زمین میں قسم قسم کی عمدہ چیزیں اگا دی، یہ تو ہے اللہ کی تخلیق، اب ذرا مجھے دکھاؤ، ان دوسروں (معبودانِ باطل) نے کیا پیدا کیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔

انسان کے پاس اگر عقل سلیم ہو اور وہ صحیح اندازِ فکر رکھتا ہو تو اپنے مابین اور دیگر تمام مخلوقاتِ عالم کے مابین رابطہ سے واقف ہوسکتا ہے، اور بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ نے اسے زبردست قدرت وقوت سے نوازا ہے اور بے شمار مخلوقات کو اس کا تابعِ فرمان بنا کر اُس کے کام میں لگا دیا ہے، قرآن کہتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، قَدْ فَصَّلْنَا الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ. (الانعام: ۹۷)

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا، ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کردی

ہیں اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَوا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً. (لقمان: ۲۰)

کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔

کائنات کی سبھی چیزیں انسان کے تابع کردی گئی ہیں، اب کچھ چیزوں میں وہ جیسا چاہے تصرف واستعمال کرسکتا ہے، ہوا، پانی، مٹی، آگ، معدنیات، نباتات وحیوانات سب میں انسان حسبِ منشأ تصرف کرسکتا ہے، اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کو ایسے اصول کا پابند بنادیا گیا ہے کہ وہ انسان کے مفاد کی خدمت کرتی رہیں، ان میں چاند، سورج اور ستارے وغیرہ آتے ہیں۔

عقلِ سلیم کی مدد سے انسان بڑی آسانی سے خالقِ کائنات کو سمجھ کر اس کی وحدانیت اور اقتدارِ مطلق کا قائل ہوسکتا ہے۔

فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجاً ، يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ، لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ. (الشوریٰ: ۱۱)

وہ آسمانوں اور زمینوں کا بنانے والا، جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے، اور اسی طرح جانوروں میں بھی جوڑے بنائے، اور اس طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اسلام انسان کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہے کہ وہ کائنات میں اللہ کی صنعت اور

کاریگری کو بغور دیکھے، مثلاً زمین ہی ہے جو بے آب و گیاہ، خشک اور چٹیل تھی مگر دیکھتے ہی دیکھتے اس میں پودے اگتے ہیں پھر وہ رفتہ رفتہ شاداب اور ہری بھری ہوتی چلی جاتی ہے، گویا مردہ زمین کو زندگی مل جاتی ہے، ظاہر ہے کہ عقلِ سلیم کے لئے اس حقیقت پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے بغیر کوئی راستہ نہیں رہے گا کہ اس زمین کو زندگی خدائے واحد نے عطا کی ہے۔

قرآن کہتا ہے:

وَآيَةٌ لَّهُمُ الأَرْضُ الْمَيْتَةُ، أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ. (یس: ۳۳)

اُن لوگوں کے لئے بے جان زمین ایک نشانی ہے، ہم نے اُس کو زندگی بخشی اور اُس سے غلّہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں۔

آگے بڑھ کر اسلام نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہر مسلمان ہر معاملہ میں کوئی بھی فیصلہ کرنے یا رائے دینے یا کارروائی انجام دینے سے قبل عقل کا استعمال کر کے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں کی تحقیق و تفتیش ضرور کر لیا کرے، اور جس معاملہ کا اسے علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑے، انسان کی تمام صلاحیتیں اللہ کی امانت ہیں اور ہر ایک کے متعلق روزِ قیامت باز پرس ہوگی، قرآن میں وارد ہوا ہے:

وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ، إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولاً. (بنی اسرائیل: ۳۶)

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو، یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔

اس آیت میں اوہام پرستی کی جڑ کاٹ دی گئی ہے، اب نہ عقائد کے باب میں کسی

توہم کی گنجائش ہے، نہ فیصلہ ومعاملات اور باہمی سلوک میں کسی بدگمانی اور وہم پرستی کا کوئی جواز ہے اور نہ ہی علوم وتحقیقات (Research) کی دنیا میں وہمیّات وسطحیّات کی کوئی اہمیت ہے۔

یورپ نے عصر حاضر میں ''علمی دیانت داری'' کا جو آوازہ بلند کیا ہے وہ یورپ کے نزدیک جو مطلب بھی رکھتا ہو مگر اسلام میں اس کے معنیٰ یہی ہیں کہ انسان اپنے ہر عمل وحرکت میں اپنے کو جواب دہ تصور کرے، انسان کے اعضاء وجوارح، حواس، عقل ودل سب صحیح رخ پر کام کریں، حدیث میں فرمایا گیا کہ ''گمان سے بچو کہ برا گمان سب سے جھوٹی بات ہے، سب سے بڑا دروغ یہ ہے کہ انسان اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے (لوگوں کے سامنے اس چیز کو اپنی دیکھی ہوئی بتائے) جو انھوں نے دیکھی نہ ہوں''۔

اسلام نے عقلِ انسانی کو اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ وہ مادّی طاقت کو اپنے زیر اختیار (Under Control) کرلے، ہاں جائز حدود کی پاسداری ہمہ وقت ملحوظ رہے، فرمایا گیا:

كُلُوْا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ. (البقرة : ۱۷۲)

ہم نے تم کو جو حلال وپاکیزہ رزق عطا کیا ہے اس میں سے کھاؤ۔

آخر میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عقل آخری ذریعۂ معلومات نہیں بلکہ اس سے اوپر وحی الٰہی ہے، اس لحاظ سے عقل کا دائرہ کار واختیار لامحدود (Unlimited) نہیں ہے، مشہور مؤرخ وفلسفی ابن خلدون کے بقول عقل کی مثال سونا تولنے کے کانٹے جیسی ہے جس میں سونا ہی تولا جاسکتا ہے، اگر اس میں پہاڑ تولا جائے گا تو وہ کانٹا ٹوٹ جائے گا، (مقدمہ ابن خلدون) اس لئے عقل صرف ایک حد تک رہنمائی کرتی ہے، اُس سے آگے اس کی رہنمائی غلط سمت میں چلی جاتی ہے، اسلام نے عقل کے استعمال کے حدود اور دائرے متعین

کر دیئے ہیں جن کی تفصیلات اس موضوع کی تحقیقی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۶) مساوات

اسلامی نظامِ تربیت میں مساوات کو کلیدی اہمیت حاصل ہے، اسلام میں لونی، نسلی، جنسی، قومی، نسبی اور وطنی تعصّبات کو جاہلیت قرار دیا گیا ہے، توحیدِ رب کی طرح توحیداب کی تعلیم اسلام نے دی ہے کہ دنیا کے ہر خطّہ و مذہب وقوم کے تمام انسان ایک باپ کی اولاد اور ایک اللہ کی مخلوق ہیں، عربی و عجمی اور کالے و گورے میں کوئی تفریق روا نہیں، معیارِ فضیلت اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ خدا ترسی ہے۔

اسلام کا پیغام پوری انسانیت کے لئے ہے، قرآن میں آیا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ: إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (الاعراف: ۱۵۸)

اے محمدؐ! آپ کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔

واضح کر دیا گیا کہ رسالتِ محمدی قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کے لئے عام ہے، بندوں میں جو مساوات اور برابری کا اعلان کیا گیا ہے وہ اسلام کی ایسی بے نظیر خصوصیت ہے جسے انصاف پسند غیر مسلم بھی سب سے اہم چیز قرار دیتے ہیں، اسلام ایک طرف عدل وانصاف کے تقاضے بہر حال پورے کرنے کا حکم دیتا ہے خواہ اس کی زد انسان کے قریبی رشتہ داروں حتی کہ والدین ہی پر کیوں نہ پڑے وہیں دوسری طرف اسلام نے مسلمانوں کے علاوہ ذمّیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، مسلمانوں کے باہمی تعلقات کیسے ہوں، یہ مستقل باب ہے جس میں محبت، نرمی، ہمدردی، دکھ درد میں شرکت، تعاون، تسلی، اتحاد واشتراک بنیادی عناوین کی حیثیت رکھتے ہیں، حدیث کے

بموجب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے اسی طرح تقویت کا ذریعہ ہے جیسے ایک مکان ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔

بلکہ بقول سعدی ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگرند
کہ در آفرینش زیک جوہرند
چوں عضوے بدرد آورد روز گار
دگر عضوہا را نماند ....قرار

اولادِ آدم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں، سب کی فطرت ایک ہے، ایک عضو کو درد ہوتا ہے تو دوسرے اعضاء بے قرار ہو جاتے ہیں، یہی مضمون ایک صحیح حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔

(۷) انفرادی امتیاز

اسلام اپنے پیروکاروں کو ہر لحاظ سے ایک امتیازی شان عطا کرتا ہے، گفتار وکردار دونوں میں مؤمن امتیازی شناخت رکھتا ہے، نمازوں میں ایک قبلہ "کعبۃ اللہ" کی طرف رخ کرنا بھی اہل ایمان کا ایک امتیازی معاملہ ہے، اسلام نے اپنے متبعین کو غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنے اور ان کے طریقوں اور رسوم کی پیروی سے سختی سے منع کیا ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (مشکاۃ المصابیح)

جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرلے وہ انھیں میں سے ہے۔

احادیث میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنی داڑھیاں منڈاتے، مونچھیں بڑھاتے ہیں، اس لئے مسلمان اس کے خلاف داڑھیاں بڑھائیں اور مونچھیں

ترشوائیں، ایک حدیث میں آیا ہے کہ اہل عجم ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، مسلمانوں کو ایسا نہ کرنا چاہئے۔

واقعہ یہ ہے کہ ظاہری مشابہت باطنی محبت و تعلق کا سبب بن جاتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اخلاق و عادات میں غیروں کی پیروی خدانخواستہ عقائد میں پیروی کا باعث بن جائے۔

اسلام میں خوشی کے تہوار (عید الفطر و عید الاضحیٰ) بھی اس کی انفرادیت کا مظہر ہیں، روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تہواروں کی حقیقت و حیثیت کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں اسی طرح تہوار منایا کرتے تھے، آپؐ نے فرمایا:

> اللہ نے تمہارے ان دونوں تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک عید الفطر، دوسرے عید الاضحیٰ۔ (سنن ابی داؤد)

چونکہ تہوار ہر قوم کے عقائد و تصورات اور قومی مزاج کے ترجمان ہوتے ہیں اس لئے اسلام نے جاہلیت کے تہواروں کو ختم کر کے ایسے اسلامی تہوار مقرر فرما دیئے جو اسلام کے توحیدی عقائد و مزاج کے بالکل موافق ہیں۔

جنگوں اور معرکوں میں شکست کے موقعہ پر عموماً لوگ دلبرداشتہ، بزدلی کے شکار اور پست حوصلہ و قنوطی ہو جاتے ہیں، مگر ایسے موقعوں پر بھی اسلام کا امتیازی موقف ہے کہ:

> لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ، وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

بَيۡنَ النَّاسِ، وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَاءَ. (آل عمران: ۱۳۹، ۱۴۰)

دل شکستہ نہ ہواور غم نہ کرو، تم ہی سر بلند رہو گے اگر تم مؤمن ہو، اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے، یہ تو زمانے کے نشیب وفراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں، تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مؤمن کون ہیں، اور تم میں سے کچھ کو شہید بنانا چاہتا تھا۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَلاَ تَهِنُوۡا فِيۡ ابۡتِغَاءِ الۡقَوۡمِ، إِنۡ تَكُوۡنُوۡا تأَلَمُوۡنَ فَإِنَّهُمۡ يَأۡلَمُوۡنَ كَمَا تَالَمُونَ وَتَرۡجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لاَيَرۡجُوۡنَ. (النساء: ۱۰۴)

گروہِ کفار کے تعاقب میں کمزوری نہ دِکھاؤ، اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم اللہ سے اُس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔

ان آیات میں حوصلہ شکنی اور بزدلی سے روکا اور صبر وثبات کی تلقین کی گئی ہے۔

اختصار کے پیشِ نظر ان سات بنیادی عناصر کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ ان کے علاوہ اور بھی متعدد اہم عناصر ہیں جن سے اسلام کے تربیتی نظام کی جامعیت اور جمال کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ع

دامانِ نگہ تنگ و گل حسنِ تو بسیار

مساوات اور وحدت پر مبنی جامع

اسلامی نظام

اسلام دیگر مذاہب عالم میں اپنی ایک انفرادی اور امتیازی شان رکھتا ہے، مساوات اور برابری بھی اسلام کی ایک ممتاز اور نمایاں ترین خصوصیت ہے، اسلامی مساوات کا دائرہ بے حد وسیع ومحیط اور ہمہ گیر وہمہ جہت ہے، اس میں جنس ونسل، حسب ونسب، لون ووطن سب آتے ہیں۔

اسلام انسانیت کو مکرّم قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً. (الاسراء: ۷۰)

یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو بزرگی دی اور انھیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

اس آیت میں یہ واضح فرمادیا گیا ہے کہ ہر انسان مکرّم ہے اور ہر مرحلہ وموقعہ پر اس کرامت کی رعایت کی جانی چاہئے، اور اسی کرامت کا تقاضا یہ ہے کہ مساوات کا التزام کیا

جائے، فقر و مالداری، توانائی و ناتوانی، لونی و نسلی، خاندانی و جنسی بنیادوں پر بنی نوعِ انسان میں کوئی تفاوت نہ رکھا جائے، اسلام سب کو ایک صف میں رکھتا ہے، معیارِ فضیلت صرف خدا ترسی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ:

اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور باپ بھی ایک، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، برتری کا معیار خدا ترسی ہے، بارگاہ ربّ العزت میں زیادہ مکرم وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا:

الناس سواسية كأسنان المشط.

تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں، برتری کا مدار تقویٰ ہے۔

انسانی وحدت و مساوات کا اسلامی اعلان دیگر تمام مذاہب کے لئے ایک تازیانہ ثابت ہوا جو مساوات کو پرِ کاہ کے برابر بھی اہمیت دینے پر آمادہ نہ تھے، اور جو دین کو، رحمتِ خداوندی کو اور خیر کو محدود کر چکے تھے، اسلام نے صدا لگائی کہ اللہ تمام جہانوں کا رب ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہر ایک کے لئے ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان کے لئے اور سارے جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اسلامی مساوات نے جنسی و قومی امتیازات ختم کر دیئے اور سب کو ایک باپ کی اولاد قرار دیا اور اعلان کر دیا:

يَـاأَيُّهَـا الـنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا. (الحجرات : ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط سے پیدا کیا اور ہم نے تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں محض اس لئے بانٹ دیا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرسکو۔ جنسی و نسلی تعصّبات کو اسلام نے جاہلیت کی علامت قرار دیا اور اسے ظلم و زیادتی اور ناانصافی کا سب سے بڑا سبب بتایا۔

دوسری طرف اسلامی مساوات نے لونی و لسانی تعصب پر قدغن لگادی۔ قرآن نے فرمایا:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِيْنَ. (الروم: ۲۲)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے، بلاشبہ اس میں اہل دانش کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ. (الفاطر: ۲۸)

اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ زبردست درگذر فرمانے والا ہے۔

حضرت ابوذ غفاریؓ نے ایک صحابی کو ''ابن السوداء'' (کالی عورت کا فرزند) کہدیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آگئے اور فرمایا کہ معاملہ حد سے تجاوز کرگیا، کسی گوری عورت کے فرزند کو کسی کالی عورت کے فرزند پر کوئی برتری نہیں، معیار فضیلت تقویٰ اور عملِ صالح ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کو اس پر اتنا احساسِ ندامت ہوا کہ انھوں نے اپنا

سرزمین پر رکھ دیا اور اُس صحابی سے کہا: میں نے زیادتی کی ہے، اپنے پیر سے میرا سر روند ڈالو۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

میں ہر خدا ترس کا درست ہوں خواہ وہ حبشی سیاہ فام غلام ہی کیوں نہ ہو،

اور میں ہر بد بخت سے بری ہوں خواہ وہ شریف قریشی کیوں نہ ہو۔ (طبرانی)

حکیم مشرق اقبال نے سکندر رومی سے موازنہ کرتے ہوئے حضرت بلال حبشیؓ کے تعلق سے کہا ہے۔

لیکن بلال، وہ حبشی زادۂ حقیر
فطرت تھی جس کی نورِ نبوت سے مستنیر

جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلال
محکوم اُس صدا کے ہیں شاہنشہ وفقیر

ہوتا ہے جس سے اسود واحمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

اسلام نے انسانیت کے ناطے سے مسلم و غیر مسلم میں بھی مساوات کی صدا لگائی ہے، ہر غیر مسلم کے ساتھ انصاف کا حکم دیا ہے، سازشی اور ہٹ دھرمی اور عملی مخالفانہ اقدامات کرنے والے غیر مسلموں کے سوا سب سے مواسات و مدارات کا حکم دیا ہے، قلبی تعلق سے البتہ منع کیا ہے، ذمیوں اور معاہدین کے بے شمار حقوق متعین کر دیئے ہیں، اور بے انتہا وسیع الظرفی کا ثبوت دیا ہے۔

خاندان ونسب کی بنیاد پر کسی بھی طرح کی اونچ نیچ کا تصور اسلام نے ختم کردیا ہے، قرآن میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِيُ الصُّورِ فَلا أَنُسَابَ بَيُنَهُمُ يَوُمَئِذٍ وَلايَتَسَاءَ لُوُنَ .

(المؤمنون:۱۰۱)

پھر جب صور میں پھونک ماردی جائے گی تو ان کے درمیان کوئی رشتہ نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی بنیاد پر فرمایا ''اے صفیہ بنت عبدالمطلب ، اے فاطمہ بنت محمد، اے بنو عبدالمطلب ، اے قریش، اے بنو عبد مناف !

سَلِيُنِيُ مَا شِئُتِ مِنُ مَالِيُ لا أُغُنِيُ عَنُکَ مِنَ اللّٰهِ شَيُئًا .

(بخاری ومسلم وترمذی)

سنو میرے مال میں سے جو چاہو لے لو، اللہ کے سامنے میں تمہارے لئے کچھ نہ کرسکوں گا۔

یعنی محض عالی نسبی کام نہ آئے گی۔ایک حدیث میں فرمایا گیا:

مَنُ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمُ يُسُرِعُ بِهِ نَسَبُهُ. (مسلم)

جس کو اس کا عمل پیچھے کردے اُسے اس کا نسب آگے نہیں کرسکتا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا ''بخدا اگر عجمی عمل صالح کریں اور ہم اہل عرب عمل صالح نہ کریں تو وہ عجمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن ہمارے مقابلہ میں کہیں زیادہ قریب ہوں گے، عمل کی کوتاہی کو عالی نسبی ختم نہیں کرسکتی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ '' اللہ کے ہاں نسب کا کوئی اعتبار نہیں، اطاعت کا اعتبار ہے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قریش کی ایک عالی نسب خاتون نے چوری کا ارتکاب کیا، شرعی حکم کے بموجب اس کا ہاتھ کٹنا تھا، حضرت اسامہ بن زید کے توسط سے آپؐ کے پاس معافی کی سفارش پہونچی تو آپ نے فرمایا:

اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ، اِنَّمَا اَھْلَکَ الَّذِیْنَ قَبْلَکُمْ أَنَّھُمْ کَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِیْھِمُ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْہُ، وَإِذَا سَرَقَ فِیْھِمُ الضَّعِیْفُ، أَقَامُوْا عَلَیْہِ الْحَدَّ، وَأَیْمُ اللّٰہِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا. (مسلم)

اے اسامہ! تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو، تم سے پہلی امتیں اسی لئے برباد ہوئیں کہ اگر کوئی معزز و عالی نسب انسان چوری کرتا تو وہ اسے کچھ نہ کہتے تھے اور اگر ادنیٰ فرد چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد سے بھی یہ جرم سرزد ہوا ہوتا تو میں اس کا ہاتھ کاٹتا، چنانچہ پھر اس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا۔

شاہِ غسّان جبلہ بن ایہم خلافت فاروقی کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوا، لیکن چونکہ جاہلی نخوت اور شاہانہ تکبر باقی تھا، اسی کا ایک مظہر اُس وقت سامنے آیا جب طواف کعبہ کے دوران ایک بدّو کا پاؤں ہجوم کی وجہ سے جبلہ بن ایہم کے زمین پر گھسٹتے تہ بند پر جا پڑا، جبلہ آگ بگولہ ہو گیا اور غصہ میں اس بدو کو گالیاں دیں اور اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ اس کی ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہو گیا اور خون بہہ پڑا، معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا، آپ نے فریقین کا بیان سننے کے بعد فرمایا ''جبلہ: زیادتی تم نے کی ہے اب یا تو اس بدو کو منا لو یا پھر قصاص دو'' جبلہ حیران و پریشان دیکھتا رہا پھر بولا ''یہ ایک معمولی درجہ کا آدمی اور میں بادشاہ کیا آپ اس کے بدلہ میں مجھ سے قصاص لیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اسلام نے بالا و پست سب کو برابر کر دیا

ہے، اسلامی قانون کی نگاہ میں شاہ وگدا، حاکم ومحکوم سب ایک ہیں'' جبلہ نے کہا ''میں تو یہ سمجھ کر اسلام لایا تھا کہ پہلے سے زیادہ عزت ملے گی لیکن آپ مجھے ایک عام بدو کے ساتھ کھڑا کر رہے ہیں'' حضرت عمر نے فرمایا ''جبلہ: اسلام خاص و عام میں کوئی امتیاز نہیں کرتا، اسلام میں عزت و برتری نیک اعمال واخلاق کے حامل شخص کو ملتی ہے، اگر عمرؓ سے کوئی جرم ہو جائے تو اسلامی قانون اس کی بھی گرفت کرے گا، عزت کے خواہاں ہو تو اس بدو کو مناؤ ورنہ مجمع عام میں بدلہ کے لئے آمادہ ہو جاؤ'' اس پر جبلہ نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو میں اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہو جاؤں گا، حضرت عمر نے فرمایا کہ پھر تم مرتد قرار دیئے جاؤ گے اور تمہاری گردن ماردی جائے گی، چنانچہ جبلہ نے ایک رات کی مہلت مانگی اور رات ہی میں بھاگ کھڑا ہوا اور پھر عیسائی ہو گیا، کچھ مسلمانوں نے کہا کہ اگر امیر المؤمنین نرمی کرتے تو جبلہ نہ بھاگتا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

بادشاہ ہو یا عامی، قانون اسلامی سب پر نافذ ہوگا، کسی شخصیت کی خاطر اگر میں قانون اسلامی کو معطّل کر دوں تو پھر مجھ سے بڑا ظالم اور کوئی نہیں ہوگا۔

قانونِ اسلامی کی تنفیذ میں اسلام حاکم ومحکوم اور شاہ وگدا کا کوئی فرق نہیں رکھتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل فرمایا کہ ''جس کی پشت پر میں نے کوڑا مارا ہو وہ میری پیٹھ پر مارے، جس کی آبرو پر میں نے حملہ کیا ہو وہ مجھ سے پورا قصاص و بدلہ لے لے'' ہر خلیفۂ راشد نے اپنے اپنے دور میں یہ اعلان کیا کہ ''میں تم میں افضل ترین نہیں ہوں، مجھے والی بنادیا گیا ہے، اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو، اگر غلط کروں تو مجھے سیدھا کرو، جب تک میں اللہ ورسول کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرو، اور جب میں اللہ ورسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم میری اطاعت نہ کرو'' حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن پر شراب نوشی کی حد نافذ

کرنے میں تاخیر اور رعایت نہ کی، فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاص کے صاجزادے نے کسی عام مصری کو مار دیا، حضرت عمرؓ نے اس مصری کو بلا کر پورا حق قصاص برملا عطا فرمایا اور انصاف وعدل ومساوات کی ایک نا قابل فراموش نظیر قائم فرمادی اور پھر یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا۔

مَتَیٰ استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارا.

تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنالیا جب کہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنا تھا۔

ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے پاس حضرت علیؓ کے خلاف مقدمہ دائر کیا، مدعی کا بیان سننے کے بعد حضرت عمر نے حضرت علیؓ سے (جوان کے بغل میں بیٹھے ہوئے تھے) فرمایا: اے ابوالحسن: اٹھیے اور مدعی کے ساتھ بیٹھیے، حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی، معاملہ رفع دفع ہونے کے بعد حضرت علی کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا دیکھ کر حضرت عمر نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو کوئی بات ناگوار گذری ہے؟ اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ ہاں مجھے یہ ناگوار گذرا کہ آپ نے مجھے نام کے بجائے کنیت سے پکارا اور احترام کا معاملہ کیا، آپ کو میرا نام لے کر حکم دینا چاہیے تھا، اس پر حضرت عمر نے ان کا ماتھا چوم لیا اور فرمایا ''میرا باپ آپ پر قربان ہو، آپ ہی لوگوں کے ذریعہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی اور کفر کے اندھیرے سے نکال کر اسلام کی روشنی میں داخل کیا ہے''۔

اسلام میں مالدار اور فقیر کے درمیان کوئی امتیازی برتاؤ درست نہیں ہے، سب برابر ہیں، مال ودولت ایمان وعمل خیر کے بغیر بالکل بے مایہ ہے، قرآن میں فرمایا گیا:

وَمَا أَمْوالُكُمْ وَلاَ أَوْلاَدُكُم بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الغُرُفَاتِ آمِنُوْنَ. (السبأ:۳۷)

یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو، ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے عمل کی دہری جزا ہے اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً. (النساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو، اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

حضرت عمر اولاً بیت المال سے عطیات کی تقسیم میں مساوات کے قائل نہ تھے لیکن پھر حالات کے مشاہدہ اور کثرت مال کے بعد انھوں نے تقسیمِ مال میں مساوات کے حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ کی طرف رجوع کر لیا تھا، اور فرمایا تھا کہ ''اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو برابر سرابر تقسیم کروں گا'' مگر اس سے پہلے آپ کی وفات ہوگئی۔

شام و عراق اور مصر وغیرہ کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ نے یہ طرز عمل اختیار کیا کہ انھیں غازیوں میں تقسیم نہ کیا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں بالکل محروم نہ رہیں، بلکہ یہ زمینیں حکومت کی ملکیت رہیں اور خزانۂ عام میں اضافہ کا سبب ثابت ہوئیں، کیونکہ تنہا کوفہ

کی زمینوں کا ٹیکس حضرت عمرؓ کی وفات سے پہلے دسیوں لاکھ درہم تک پہونچ چکا تھا۔

اسلامی مساوات میں عمر اور ماہ وسال کے لحاظ سے امتیازی سلوک نہیں ملتا، یہ تو ضرور حکم ہے کہ بڑوں کا احترام کیا جائے، ادب کیا جائے، آنے جانے میں، کھلانے پلانے میں، مدد کرنے میں ان کو مقدم رکھا جائے لیکن اور ذمہ داریوں میں معیار صلاحیت اور اہلیت اور دینداری ہے، نہ کہ عمر اور ماہ وسال، حضرت اسامہ بن زیدؓ کو انتہائی کم عمری میں آپؐ نے اس لشکر کا قائد بنایا جس میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ جیسے اکابر صحابہ بھی موجود تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو علمی رسوخ کی وجہ سے صغرسنی کے باوجود حضرت عمرؓ نے اپنی خاص مجلسِ مشاورت کا رکن متعین فرمایا تھا اور ان کی آراء پر عمل درآمد کیا تھا۔

ایک لڑکے نے حضرت عمر بن العزیزؒ سے کہا ''امیر المؤمنین! آدمی دل اور زبان سے پہچانا جاتا ہے، عمر کا اعتبار نہیں ہوتا ورنہ آپ کے منصب پر آپ سے زیادہ عمر کا شخص فائز ہوتا۔

اسلام نے حرفت اور پیشہ کے لحاظ سے بھی مساوات کا التزام کیا ہے، اسلام کسی پیشہ اور حرفت کو حقیر اور معمولی نہیں قرار دیتا، امانت اور خدا ترسی کے ساتھ انجام دیا جانے والا ہر عمل اور پیشہ قابل تعریف ہے، حضرت عمرؓ نے مکہ سے گذرتے ہوئے ایک بار خادموں کو کھڑا دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں، آپ نے سرداروں کو ڈانٹا اور فرمایا: کہ اللہ کی رحمت ونعمت کو عام کرو، سب مل کر کھاؤ، ہر طرح کی تفریق ختم کردو، اور پھر یہ آیت پڑھی۔

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَ رَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ. (الزخرف:۳۲)

کیا آپ کے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں

ان کی گذر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لیں، اور تیرے رب کی رحمت اُس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو یہ لوگ سمیٹ رہے ہیں۔

اس آیت میں بتادیا گیا ہے کہ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے، بیجا برتری اور تعصب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلامی مساوات فی الواقع اتنی وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ اسے مختصر مضمون میں سمیٹنا مشکل ہے، اسلام نے اسی مساوات کے اصولوں پر ایک عالمی معاشرہ کی عملی تشکیل دے کر پوری دنیا کے سامنے نمونہ رکھ دیا، حتیٰ کہ مخالفین اسلام بھی یہ تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکے کہ انسانی وحدت و مساوات کو جس جامعیت، ہمہ گیری اور کامیابی کے ساتھ اسلام نے عملی شکل دی اس کی کوئی نظیر کسی اور نظام میں نہ پائی گئی اور نہ پائی جائے گی، اسلام نے پوری دنیا میں منتشر انسانوں کو ملا کر امت واحدہ بنادیا اور قرآن میں یہ اعلان کردیا گیا کہ:

إِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَ أَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ. (الانبیاء: ۹۲)

یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو تم میری عبادت کرو۔

اسلام دین مبین ہے

مذہب اسلام کے نمایاں امتیازات میں یہ بات بھی ہے کہ یہ دین مبین ہے، اس کی ہر چیز واضح ہے، اس کے احکام وتعلیمات میں کہیں بھی کسی طرح کا غموض، الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں ہے، احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ حلال واضح ہے، اسے حلال سمجھنا ہے، حرام واضح ہے اسے حرام سمجھنا ہے، راہِ ہدایت واضح ہے اس کی پیروی کرنی ہے، راہِ ضلالت عیاں ہے اس سے دور رہنا ہے۔ (مسند احمد)

اسلامی تعلیمات میں اصول کے درجے کے امور بھی واضح ہیں اور فروعیات ووسائل بھی، اصول ومبادی میں عقائد بھی ہیں اور عبادات بھی، اخلاقیات وآداب بھی ہیں اور احکام شرعیہ بھی، سب بالکل واضح اور دوٹوک ہیں، ہر عام وخاص ان کو سمجھ اور اپنا سکتا ہے، عقائد میں توحید کا عقیدہ ہے جو کائنات کی سب سے بڑی اور نمایاں صداقت ہے، یہی اصل الاصول ہے، ہر رنگ ونسل، حسب ونسب اور علاقہ ومقام کا مسلمان اسے سمجھتا اور مانتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم قرآنی تھا کہ اہل کتاب کو اسی توحید کے نقطۂ اتحاد پر اور اسی بنیاد پر جمع کرنے اور قریب کرنے کا کام کریں، یہی اس عقیدہ کی وضاحت اور صداقت کی کافی دلیل ہے، قرآن بتاتا ہے کہ پوری کائنات دلیل توحید ہے، اور اس کے ہوتے ہوئے

هَلْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرَ اللَّهِ.

کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوسکتا ہے۔

اور اہل کفر سے مطالبہ کرتا ہے کہ توحیدِ واضح کے بجائے شرک اختیار کرنے پر

هَاتُوا بُرُهَانَكُمُ إِنُ كُنتُمُ صَادِقِيۡنَ. (النمل/٦٤)

کوئی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

توحید ہر مسلمان کے قلب وفکر اور ضمیر وشعور کا واضح نمایاں عقیدہ ہے، اس کی فکر میں یہ عقیدہ اپنی وضاحت وبداہت کی وجہ سے رچا بسا ہوتا ہے اور اس کی زندگی میں اس کے اثرات روشن نظر آتے ہیں۔

دوسرا عقیدہ آخرت کی سزا، دنیا کے فنا ہونے اور دار الامتحان اور وقتی قیام گاہ ہونے اور دار آخرت کے ابدی وسرمدی ہونے اور وہاں ہر عمل کا پورے انصاف کے ساتھ حساب ہونے اور بدلہ ملنے کا ہے، ساتھ ہی جنت اور اس کی نعمتوں، جہنم اور اس کے عذاب کی حقانیت کا بھی عقیدہ ہے، یہ عقیدہ بھی اتنا واضح ہے کہ صاحب عقل بآسانی اسے سمجھ سکتا ہے، ظاہر ہے کہ کارخانۂ عالم عبث نہیں پیدا گیا ہے، بلکہ یہ ابتلا وامتحان کا مقام ہے، اور آخرت دار الجزاء ہے جہاں حساب ہونا ہے، یہ بہت ہی بدیہی اور واضح حقیقت ہے۔

تیسرا عقیدہ رسالت کا ہے، پیغمبر اللہ کی طرف سے اصلاحِ خلق کا مشن لے کر آتا ہے، اور اقامتِ عدل کا فرض انجام دیتا ہے، اہل عقل کے لئے اس کو سمجھنا بہت واضح ہے کہ تعلیمِ دین کے لئے معلم ضروری ہے اور معلم انبیاء ہی ہوتے ہیں، جو اللہ کا پیغام پہونچاتے ہیں۔

عقائد کے بعد عبادات کا درجہ ہے، تمام عبادات بالکل واضح ہیں، ہر عام وخاص مسلمان واقف ہے، کہ:

بُنِيَ الاِسُلامُ عَلَىٰ خَمُسٍ: شَهَادَةِ أَنُ لا اِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوُلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلاةِ وَإِيُتَاءِ الزَّكَاةِ وَالُحَجِّ وَصَوُمَ رَمُضَانَ. (متفق عليه)

اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔(۱) توحید ورسالت کی شہادت (۲) نماز (۳) زکاۃ (۴) روزہ (۵) حج۔

نماز بدنی عبادت ہے، دن بھر میں پانچ بار فرض ہے، اس کا طریقہ واضح ہے، زکاۃ مالی عبادت ہے، مالداروں پر فرض ہے، اس کا مقصد مالداروں کی تطہیر اور غرباء کا تعاون ہے، روزہ ایک ماہ فرض ہے، جس کا مقصد خواہش نفس کو شریعت کے تابع بنانا ہے، حج مالدار پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور عاشقانہ عبادت ہے، اور ان سب عبادتوں کی روح اخلاص اور جذبۂ طلب رضائے باری ہے، یہ سب امور اتنے واضح ہیں کہ ہر معمولی سمجھ رکھنے والا مسلمان ان سے واقف ہے۔

اخلاقیات کے تعلق سے بھی اسلامی تعلیمات بہت واضح ہیں، ہر مسلمان جانتا ہے کہ عدل وانصاف، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، غرباء کی مدد، ہمسایوں کا خیال، سچائی، امانت وصبر، وفاداری وعفت، حیاء وایثار، حلم وعفو، تواضع وانکسار، سخاوت وشجاعت اور مساوات ومواسات اسلام کے مطلوبہ اوصاف واخلاق کے سرنامہ کا درجہ رکھتے ہیں، جب کہ دوسری طرف فحاشی، منکر، معصیت، نفاق، غدر وخیانت، کذب، ظلم، بے حیائی، خود غرضی، بخل، بزدلی، تکبر، بے انصافی، غیبت وتہمت، حسد وبغض، سب وشتم وغیرہ رذائل کی بنیاد ہیں جن سے بالکلیہ اجتناب کا حکم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی ان کی زبانی:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ.

مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی تھی۔

اس سے ملتی جلتی چیز آداب ہیں وہ بھی بالکل واضح ہیں، خورد ونوش، نیند وبیداری، لباس وزینت، چلنے بیٹھنے، ملنے، اجازت لینے، سلام وملاقات اور گفتگو وغیرہ سب کے آداب

شریعت نے واضح کر دیئے ہیں اور انہیں سمجھنا اور برتنا بھی بہت آسان ہے۔

احکام شریعت کا معاملہ بھی یہی ہے، اصولی طور پر حلال وحرام بالکل واضح ہیں، ہر صاحب شعور مسلمان سمجھتا ہے کہ مردار، خون، خنزیر، غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور، یا غیر اللہ کے نام چڑھائی گئی نیاز، شراب، جوا، محارم سے شادی، سود، زنا، چوری، ڈاکہ، قتل، الزام تراشی، نشہ سب حرام ہے، اوران سے بچنا فرض ہے، جب کہ جو چیزیں حلال طیب ہیں ان کو استعمال کرنے کا حکم ہے اوران سے بلاوجہ احتیاط معیوب سمجھی گئی ہے۔

ان اصولی چیزوں کے علاوہ دین اسلام اور شریعت اسلامی کے مصادر و مآخذ بھی بالکل عیاں ہیں، سب سے بنیادی مأخذ قرآن ہے جو کتاب مبین ہے، جسے اس کی وضاحت کی وجہ سے نور، دلیلِ واضح اور رہنما بتایا گیا ہے، دوسرا مأخذ سنت رسول ہے، جو اقوال، افعال اور تائیدات (تقریرات) کے مجموعے کا نام ہے، اور جو قرآن کی نظریاتی تشریح اور عملی تطبیق کا نام ہے، اس لئے حضرت عائشہ نے فرمایا کہ:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآنَ.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کا پَرتَو تھے۔

یعنی قرآن کی عملی تفسیر تھے، اور پیغمبر کا کام قرآن میں یہی بتایا گیا ہے کہ

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتفَكَّرُونَ. (النحل/٤٤)

آپ لوگوں کے سامنے ان پر نازل شدہ آیات کی توضیح کریں تا کہ وہ غور کریں۔

اور اسی لئے آپ کی زندگی کے ہر گوشے کو قرآن نے پوری دنیائے انسانیت کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا۔

سنت محمدی ہی کے ذیل میں خلفائے راشدین کی سنت بھی آجاتی ہے، جس کی وجہ ان

کی صالحیت وصلاحیت، ہدایت یابی اور صحیح نتائج اخذ کرنے کی حیرت انگیز قدرت وقوت ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر اسلام اپنے مقاصد واہداف کے لحاظ سے بھی بہت واضح دین ہے، اور اسلام کا سب سے بڑا مقصد جو ہر مسلمان کے سامنے واضح ہے اور جسے قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے وہ ہے انسانیت کو باطل کی تاریکیوں سے حق کی روشنی میں لانا، جس کے ذیل میں کفر وشرک، جہالت ومعصیت اور شک والحاد کی تاریکیوں سے ایمان وتوحید، علم واطاعت، یقین ومعرفت کے نور میں لانا آتا ہے، یہی وضاحت حضرت ربعی بن عامر نے رستم کے دربار میں کی تھی:

اللّٰہُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَی عِبَادَةِ اللّٰہِ، وَمِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا إِلَی سَعَةِ الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْیَانِ إِلَی عَدْلِ الإِسْلَامِ.

کہ ہمارا مقصد انسانیت کو بندوں کی بندگی سے اللہ کی بندگی میں، دنیا کی تنگی سے دنیا وآخرت کی وسعت میں، مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل میں لانا ہے۔

سماج کی تشکیل افراد، خاندان اور قوم سے ہوتی ہے، اسلام کی تحریکِ اصلاح کا ہدف تینوں ہیں، فرد سماج وخاندان کی تشکیل کا سنگ بنیاد ہے، اس کی صلاح پر خاندان کا صلاح موقوف ہے، قرآن کی وضاحت ہے کہ فرد کی صلاح کے لئے ایمان، عمل صالح، حق، وصبر کی تلقین چاروں ضروری ہیں، اسلام صالح فرد کے ساتھ صالح خاندان بھی چاہتا ہے، اور اس کی تعمیر کے واضح اصول بتاتا ہے، جن میں باہمی رضامندی سے عقد نکاح ہونا، زوجین کا باہمی حسنِ مودت وتعلق، مرد کی قوامیت اور عورت کی خانگی ذمہ داریوں میں مکمل توازن،

اولاد کے مابین مساوات وعدل اور صحیح تعلیم وتربیت، والدین کے حقوق کی ادائیگی اور صلہ رحمی کے اصول بہت زیادہ اہم اور نمایاں ہیں۔

افراد وخاندان کے ساتھ صالح معاشرہ بھی اسلام کا ہدف ہے، جس کے لئے عقیدہ کی پختگی، جذبۂ اخوت کا استحکام، اعمال صالحہ کا التزام واحترام، دعوت حق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مساوات وعدل، باہم محبت وتعاون، ایذاء سے اجتناب کلیدی شرائط ہیں جو بالکل نمایاں ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام ہر لحاظ سے دین مبین ہے، دشمنان اسلام کو اتنا واضح دین اگر نظر نہ آئے اور ان کی سمجھ میں نہ آئے تو اس میں قصور ان کی نگاہ وقلب وعقل کا ہے کہ وہ نابینا ہیں، قصور اسلام کا نہیں، اس کا نظامِ عدل آفتاب کی طرح ضو فشاں ہے، یہ الگ بات ہے کہ کورعقل وکورقلب افراد اس روشنی سے فائدہ اٹھانے سے محروم اور بے توفیقی کے شکار ہیں۔

اسلام ایک حقیقت پسند مذہب ہے

اسلام کی ایک نمایاں اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک حقیقت پسند مذہب اور نظامِ حیات ہے، عقائد، عبادات، معاملات اور احکام واخلاق ہر اعتبار سے اسلام حقیقت پسند ہے، اور اس کی ہر تعلیم وہدایت میں واقعیت پسندی کا عنصر اور نور بہت واضح اور روشن ہے۔

اسلامی عقائد کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ از اول تا آخر واقعیت پر مبنی ہیں، ہر اسلامی عقیدہ ایسی حقیقت ہے جسے عقل بآسانی قبول کرتی ہے، دل اس پر مطمئن رہتا ہے، فطرتِ سلیم اس پر لبیک کہتی ہے، وہ اوہام وخیالات سے بالکل دور ہے، اسلام کا سب سے بنیادی عقیدہ توحید ہے جو تمام حقائق سے بڑی حقیقت ہے، اللہ کی تکوینی نشانیاں، دلائلِ انفس وآفاق، عقلی، نقلی، مشاہداتی وتجرباتی براہین سب اللہ کی وحدانیت کو کائنات کی سب سے بڑی اور نمایاں حقیقت ثابت کرتے ہیں، اللہ کے اوصافِ جلال وجمال، رحمت وغضب، قدرت وقوت، غلبہ وکبریائی، تخلیق وایجاد، عفو ومغفرت، شفقت ورأفت، حلم وعطا، جود وکرم، قہاری وغفاری، قدوسی وجبروت، سب ہی بدیہی حقائق ہیں جن کو ہر عقلِ سلیم بے چون وچرا تسلیم وقبول کرنے پر مجبور ہے۔

عقیدۂ رسالت دوسری بنیاد ہے، اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزماں اور خاتم الانبیاء والرسل قرار دیتا ہے، انہیں اخلاقِ عالیہ کا حامل اور مکمل بتاتا ہے، اور ثابت کرتا ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح تھے، ان کی رفتار وگفتار، چال چلن، چلت پھرت، خورد ونوش،

معاملات، سب عام انسانوں جیسے تھے، وہ کوئی اور مخلوق نہ تھے، ان پر قرآن اتارا گیا جس میں اہل کفر کو چیلنج کیا گیا کہ اس کے کسی بھی حصے کا جواب لے آئیں مگر کوئی ہمت نہ کرسکا، اس طرح اللہ نے قرآن کو ہر تحریف وترمیم سے محفوظ کردیا، اب اس میں کچھ ردوبدل ناممکن ہے، قرآن دلوں اور عقلوں دونوں کو مخاطب کرتا ہے، ان کا رخ صحیح کرتا ہے، اسلام کے عقیدۂ رسالت سے جڑے ہوئے یہ سب حقائق ہیں۔

عقیدۂ آخرت تیسری بنیاد ہے، اسلام واضح کرتا ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد اخروی زندگی ہے، جس میں ہر عمل کا حساب ہوگا، جزاوسزا کا تعین ونفاذ ہوگا، قرآن میں اس عقیدے اور اس کی تفصیلات کا سیکڑوں جگہ ذکر کیا گیا ہے، اور بتادیا گیا ہے کہ یہ حقائقِ واقعیہ ہیں، ان کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

اسلامی عبادات میں بھی حقیقت پسندی کا یہی عنصر کارفرما ہے، انسان میں اپنے خالق ومالک اللہ سے مربوط ہونے کی جو خواہش اور پیاس ہوتی ہے اس کو بجھانے، سیراب کرنے اور مکمل کرنے کے لئے عبادات کا پورا نظام اسلام نے مقرر کیا ہے، ہر عبادت انسان کی تسلی کا سامان ہے، لیکن چونکہ انسان کمزور ہے، اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے دین کو حرج اور تنگی سے بچایا اور سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اسلام انسانی زندگی کے خاندانی، معاشرتی، اقتصادی اور سماجی پہلوؤں، الجھنوں اور پیچیدگیوں کو حقیقت پسندانہ نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسی لئے وہ انسان کا پورا وقت عبادت میں نہیں گھیرتا، بلکہ اس کے لئے اوقات مقرر ہیں، اسی طرح اسلام انسان کے مزاجی تلون وتنوع اور نوعِ انسانی کی ضروریات کا پہلو بھی سامنے رکھتا ہے، اور اسی لئے کچھ بدنی عبادات مقرر کرتا ہے کچھ مالی عبادات اور کچھ مالی وبدنی دونوں پہلوؤں کو جامع عبادات، کچھ عبادتیں روزآنہ کی ہیں کچھ سالانہ ہیں کچھ پوری عمر میں ایک بار ہی انجام دی جاتی ہیں، اس کے ساتھ ہی شوقین اور قربِ خداوندی کی متلاشی طبائع کے لئے

نوافل کا ایک وسیع سلسلہ بھی ہے۔

مزید براں اسلام انسان کے ہنگامی حالات مثلاً مرض اور سفر وغیرہ کو بھی سامنے رکھتا ہے اور رخصتوں اور سہولتوں کا دائرہ بڑھاتا ہے، بیماری ومعذوری کے عالم میں بیٹھ یا لیٹ کر نماز پڑھنے، تیمّم سے کام لینے، روزہ توڑ دینے اور سفر میں قصر وغیرہ احکام اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، ہر جگہ اسلام عسر اور تنگی کے بجائے یسر اور سہولت کی حقیقت سامنے رکھتا ہے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات بھی حقیقت پسندی کا شاہکار ہیں، عدل وانصاف کا حکم ہو یا ظالم کے ظلم کے جواب میں عادلانہ انتقام یا کریمانہ عفو ودرگذر ہو، یا دوسرے اوصاف وآداب ہوں ہر جگہ حقیقت پسندی نمایاں ہے، اسلام یہ واضح کرتا ہے کہ تمام انسان اخلاقی وایمانی قوت میں یکساں نہیں ہوتے بلکہ انسانوں میں فطری اور عملی اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے، قرآنی زبان میں کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے یعنی لاپروا اور گنہ گار ہوتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہوتے ہیں اور کچھ نیکیوں کی طرف بہت سبقت کرنے والے ہوتے ہیں، اسلام یہ بھی بتاتا ہے کہ کوئی انسان نبی کے سوا معصوم نہیں ہوتا، انسان خطا ونسیان سے آلودہ ضرور ہوتا ہے، اور گناہوں کی آلودگی سے بچنا توبہ رجوع الی اللہ اور تقویٰ سے ہوتا ہے۔

تربیّت اور اصلاح وتزکیہ کے باب میں بھی اسلام بیحد حقیقت پسند ہے، اسلام اپنی تربیت واصلاح کی مہم میں توازن واعتدال کو اولین مقام دیتا ہے جس کا اہم ترین ہونا واضح حقیقت ہے اور افراط وتفریط اور غلو وتعصب سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے، اسلام ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے اہل خانہ کی نجات کا سامان تیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اور ہر انسان کو ذمہ دار اور ذمہ داری کے لئے جواب دہ اور مسئول قرار دیتا ہے، باپ کو بچوں کی تربیت کی تلقین کرتا ہے، اور حکم دیتا ہے کہ بچے دس سال کے ہونے پر سمجھانے سے نماز نہ پڑھیں تو انہیں مارا جائے، یعنی باپ کو اولاد کے سلسلے میں سنجیدہ اور فکر مند ہونا چاہئے، اسی طرح تاکید کرتا ہے کہ کوئی

مسلمان دوسرے کو ایذا یا ضرر نہ پہونچائے، یہ سب تربیتی تعلیمات روشن حقائق ہیں۔

اسی طرح احکام شریعت میں بھی حقیقت پسندی کے پہلو کو مکمل طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ اسلام نے کسی ایسی چیز کو حرام نہیں قرار دیا ہے جس سے انسان کی واقعی ضروریات یا نفع متعلق ہو اور کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جس میں انسان کا نقصان ہو، پاکیزہ رزق، زیب وزینت وغیرہ کو قرآن نے حرام کرنے سے واضح انکار کیا ہے، اور اعتدال اور اسراف نہ کرنے کی شرط کے ساتھ اسے جائز رکھا ہے، اسلام نے انسان کی مائل بہ لہو ولعب وتفریح طبیعت دیکھ کر مختلف کھیل مثلاً تیراندازی، شہ سواری، تیراکی اور جوا وحرام سے آلودہ نہ ہونے والے اور ذکر ونماز سے غافل نہ کرنے والے کھیلوں اور تفریحات کی اجازت دی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے موقعے پر خوشی منانے کا حکم دیا ہے، آپ نے حبشیوں کو نیزہ بازی کا کھیل دکھانے کی اجازت دی اور خود حضرت عائشہؓ کے ساتھ دیکھا اور واضح کر دیا کہ:

> یہودیوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا دین توسع رکھتا ہے، اس میں تنگی نہیں ہے۔ (مسند احمد)

اسلام نے عورت کی تزئین پسند فطرت کی رعایت کرتے ہوئے اسے سونے چاندی کے استعمال اور ریشم پہننے کی اجازت دی ہے، اضطراری حالت میں ناروا وحرام چیزوں کی ضرورۃً حلت بھی اسلامی شریعت کی حقیقت پسندی کا واضح نمونہ ہے۔

اسی طرح اسلام انسانی فطرت کی کمزوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سدّ ذرائع کے اصول کا قائل ہے کہ جو چیز ذریعۂ ارتکاب حرام بن سکتی ہے خواہ جائز ہی کیوں نہ ہو اُس کو بھی حرام کر دیا ہے، اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کا حرام ہونا اس کی نمایاں مثال ہے۔

اسلام انسانی جنسی وشہوانی ضرورت کا خیال رکھتا ہے، اسی لئے نکاح کا حکم ہے، غلبۂ شہوت یا دوسرے مقاصد کی بنیاد پر عدل کی شرط کے ساتھ تعدد ازدواج کی بھی گنجائش دی گئی

ہے، ازدواجی تعلقات میں تلخی وناگواری کی صورت میں مسئلہ کے حل کی ہر ممکن کوشش کے بعد مجبوراً طلاق کی اجازت بھی ہے۔

جرائم پر حدود وتعزیرات اور سزاؤں کا نظام بھی مجرم کی سزا، دوسروں کی عبرت اور معاشرتی فساد کے ازالے کے بلند مقاصد کے لئے متعین کیا گیا ہے، ہر حکم شرعی میں سہولت اور رفعِ حرج (تنگی دور کرنے) کا اصول ملحوظ ہے، ظاہر ہے کہ عقائد، عبادات، اخلاق واحکام ہر جگہ اس درجہ حقیقت پسندی کا لحاظ اسلام کا امتیاز ہے اور اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ انسانی مذہب نہیں بلکہ خدائی مذہب، الٰہی قانون اور ربانی نظام ہے، اور اس کی پابندی مقتضائے مطالبۂ عقل اور ذریعۂ نجات ہے۔

اسلام کا نبوی تعارف

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

اَلاِسْلاَمُ عُرْيَانٌ، فَلِبَاسُهُ الْحَيَاءُ وَزِيْنَتُهُ الْوَفَاءُ، وَمُرُوءَتُهُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ، وَعِمَادُهُ الْوَرَعُ، وَلِكُلِّ شَيءٍ أَسَاسٌ، وَأَسَاسُ الإِسْلاَمِ اَحَبُّ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُبِّ أَهْلِ بَيْتِهِ. (جامع الاحادیث للسیوطی ۳/ ۴۷۱)

اسلام ایک برہنہ جسم ہے جس کا لباس حیاءاور زینت وفا شعاری ہے، اور اسلام کا جوہر کامل عمل صالح ہے، اور اس کا ستون ورع وپرہیز گاری ہے، اور ہر چیز کی ایک اساس وبنیاد ہوتی ہے، اسلام کی اساس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور اہل بیت سے محبت ہے۔

اس حدیث میں بالترتیب پانچ باتیں بیان ہوئی ہیں۔

(۱) اسلام کا لباس حیاء ہے

لغت میں تو حیا کے معنیٰ شرم کے ہیں، مگر شریعت میں حیا سے مراد وہ خصلت ہے جو آدمی کو معاصی اور برائیوں سے روکے اور نیکیوں پر ابھارے، ملحوظ رہے کہ حیا صرف انسانوں ہی سے نہیں ہوتی بلکہ سب سے زیادہ حیاء اللہ سے ہونی چاہئے، انسان میں حیا کی عادت اگر پوری طرح بے دار اور کار فرما ہو تو اس کی زندگی دیگر انسانوں کی نگاہ میں صاف ستھری ہوگی اور اس سے اللہ کی نافرمانیوں کا ارتکاب بھی بہت کم ہوگا، ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَسْتَحْيُوا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ، مَنْ اَسْتَحْيَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا حَوَىٰ، وَلِيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَاوَعَىٰ، وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبَلَىٰ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيٰ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ. (ترمذی)

اللہ سے کما حقہ حیا کرو، اور اللہ سے حیا کا حق ہے کہ سر اور اس کے افکار وخیالات کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے سب کی نگرانی کرو (یعنی برے خیالات سے دماغ کی اور حرام وناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور اس کے بعد قبر میں تمہاری جو حالت ہونی ہے اسے یاد رکھو، جس نے یہ سب کیا اللہ سے حیا کا حق اس نے ادا کیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ. (متفق علیه)

حیا ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے۔

دیگر احادیث میں کہیں تو حیا کو سراپا خیر اور باعث خیر قرار دیا گیا ہے اور کہیں اسے ایمان کا خلق ومزاج بتایا گیا ہے، کبھی یہ ارشاد ہوا کہ:

إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعاً، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهَا رُفِعَ الْآخَرَ. (شعب الایمان: بیہقی)

حیا وایمان یکجا رہتے ہیں، اگر اُن میں سے کوئی ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔

اور کبھی یہ فرمایا کہ:

بے حیائی ہر چیز کو عیب دار اور بدنُما اور حیا ہر چیز کو خوش نما کر دیتی ہے۔

(ترمذی)

اس طرح یہ واضح فرما دیا گیا کہ جس طرح چراغ اور روشنی میں تلازم ہے اسی طرح حیا اور ایمان میں تلازم ہے، حیا انسان کے ایمان، کمال، جمال اور نیکی کی علامت ہے۔

(۲) اسلام کی زینت وفا شعاری ہے

وعدہ کر کے پورا کرنا اور عہد کو وفا کرنا اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، ایفائے عہد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی ضمانت لی ہے، اور عہد کی پابندی نہ کرنے والے کے بارے میں فرمایا:

لاَ دِیْنَ لِمَنْ لاَ عَھْدَ لَه.

کہ اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ بلکہ عہد شکنی اور وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت بتایا ہے۔

ایک حدیث میں وعدہ وعہد کو قرض قرار دے کر اس کی ادائیگی اور پابندی کو لازم قرار دیا ہے، اور وعدہ وعہد کی مخالفت کو ایمان کے منافی عمل بتایا ہے، اس طرح یہ واضح فرما دیا ہے کہ اسلام کا کمال و جمال اور زینت و آرائش وفائے عہد سے وابستہ ہے، اور قرآن میں پاسداریٔ عہد کرنے والوں کو اسی لئے فلاح یاب قرار دیا گیا ہے۔

(۳) اسلام کا جوہر عمل صالح ہے

عمل صالح اسلام کی اولین دفعات وشرائط میں سے ہے، قرآن وحدیث میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر بے شمار مقامات پر آیا ہے، عمل صالح پر کہیں جنت کی بشارت ہے اور دائمی قیام جنت کا ذکر ہے، اور کہیں اجر بے پناہ اور خوف وحزن سے دوری کا بیان ہے،

بعض آیات میں مغفرت وبخشش کا تذکرہ ہے، اور بعض میں پاکیزہ زندگی کی خوشخبری ہے، کسی مقام پر رزق کریم اور درجاتِ عالیہ کا وعدہ ہے، اور کسی مقام پر دوبارہ خلافتِ ارضی کا منصب عطا کئے جانے، قوت وغلبہ دیئے جانے اور خوف کو امن سے تبدیل کئے جانے کا وعدہ ہے، عمل صالح پر رضائے الٰہی کی بھی بشارت ہے اور فلاح وکامرانی کا وعدہ بھی ہے، اعمال صالحہ کرنے والوں ہی کو خسارے سے محفوظ اور خیرالخلائق بھی قرار دیا گیا ہے۔

مفسر دریابادی کے بقول:

نیکی ایمان سے الگ نہیں، ایمان ہی کی عملی شکل کا نام ہے، ایمان جب تک قلبی ہے، ایمان ہے، اور اگر قولی ولسانی ہے تو اسلام ہے، اور وہی ایمان جب عمل سے ظاہر ہونے لگتا ہے تو اس کا نام حسنِ عمل، حسن کردار یا عمل صالح پڑ جاتا ہے، اور حسن عمل کے معنیٰ ہی یہی ہیں کہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہو، کوئی نیکی اگر ایسی پیش کی جاتی ہے جس کی تہہ میں جذبۂ ایمانی خفیف سا بھی موجود نہ ہو تو وہ نیکی نہیں، نیکی کی صرف صورت ہے، نیکی کی صرف نقل ہے، عمل نیک کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل ضابطۂ شریعت کے موافق ہو۔ (تفسیر ماجدی: ۱/۸۲)

(۴) اسلام کا ستون ورع ہے

ورع کے معنیٰ اصلاً حرام ومکروہ چیزوں سے بچنے کے ساتھ ہی مشتبہ امور سے بھی بچنے کے ہیں، ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے:

لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لا بأس به حذراً لما به بأس. (ترمذی)

کہ جب تک آدمی گناہ میں پڑنے کے خوف سے اُس چیز کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی گناہ نہیں یعنی جائز امور کو اس خطرہ وخدشہ کی بنیاد پر جب تک نہ

چھوڑ دے کہ یہ کسی ناجائز کام میں مبتلا کردیں گے تب تک آدمی مکمل پرہیزگار نہیں ہوسکتا۔

گویا تقویٰ کا کمال وَرَع ہے، بغیر ورع کے آدمی کمالِ تقویٰ کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا، ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ:

اَلْحَلالُ بَیِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ، وَبَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ. (متفق علیہ)

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں، پس جو ان مشتبہ امور سے بچتا رہے اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچالیا، اور جو ان میں مبتلا ہوگیا وہ حرام میں بھی مبتلا ہوکر رہے گا۔

ورع و پرہیزگاری اسلام کا ستون ہے، قرآن میں حق تقویٰ ادا کرنے کے حکم کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ تمہاری موت اسلام کی ہی حالت میں آنی چاہئے، معلوم ہوا کہ تقویٰ اور اسلام میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ہر ایک کی تکمیل دوسرے سے مل کر ہوتی ہے، حق تقویٰ یہی ہے کہ ہر حرام ومکروہ ومشتبہ سے حتی المقدور بچ کر ہر نیکی انجام دی جائے، اور یہی اسلام بھی ہے کہ انسان اپنا وجود اللہ کے دربار میں جھکادے اور ہر شعبۂ زندگی میں اس کا مطیع ہوجائے۔

(۵) اسلام کی اساس صحابہ وآل بیت سے محبت ہے

صحابہ کرام ہم تک دین پہونچنے کا ذریعہ ہیں، انہوں نے دین کو عملی زندگی میں سب سے پہلے نافذ کیا ہے، انہیں امت میں وہی مقام حاصل ہے جو کھانے میں نمک کا ہوتا ہے، حدیث میں ان کو روشن تاروں سے تشبیہ دے کر ان کی اطاعت کو کامیابی کی کلید قرار دیا گیا ہے، قرآن وحدیث میں ان کے کمالِ ایمان وعمل، کمالِ اخلاص وتقویٰ، کمالِ زہد وورع،

کمالِ ایثار و عشقِ رسول کا ذکر آیا ہے، بعض احادیث میں ان کی محبت کو اللہ کے رسول کی محبت کا نتیجہ بتایا گیا ہے، ان کی ایذاء، سب و شتم، ہدفِ ملامت بنانے وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان کی محبت کو جزوِ ایمان ثابت کیا گیا ہے۔

اسی طرح اہل بیت یعنی ازوج مطہرات، بنات طیبات، اولاد واحفاد اور اعزہ واقارب کی محبت کا بھی حکم ہے، واقعہ یہ ہے کہ جس کا دل ان حضرات کی محبت سے خالی ہو اس کا ایمان واسلام رسمی و سطحی تو ہوسکتا ہے، اس میں نورانیت وکمال نہیں ہوسکتا، ایمان کے کمال وحقیقت سے وہی بہرہ مند ہوتے ہیں جن کے دل اور سینے حب اصحاب وآلِ رسول سے سرشار ہوں۔

اسلام کا عطیہ: آزادئ اظہارِ رائے

اسلام کے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس نے تاریخ انسانی میں پہلی بار انسان کی فکری آزادی کا نعرہ بلند کیا اور انقلاب پیدا کیا، اسلام سے ماقبل کی تاریخ انسان کی فکری آزادی سے محرومی اور جابرانہ نظام میں جکڑے رہنے کی بدترین مثالیں پیش کرتی ہے، اسلام نے فکری آزادی کو نافذ کر کے دکھایا، اور پھر اس کے نمایاں اثرات رونما ہوئے۔

اظہارِ رائے کی آزادی کے نمونے سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سیرت صحابہ میں بے شمار ہیں، چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

(۱) غزوۂ بدر کے موقعے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چشمے کے پاس پڑاؤ فرمایا، اس موقعے پر حضرت حباب بن المنذر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس مقام پر پڑاؤ اللہ کے حکم سے ہے یا جنگی مصلحت کی بنا پر آپ نے اپنی رائے سے یہ جگہ طے فرمائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قیام بحکم خداوندی نہیں بلکہ جنگی تدبیر کے طور پر میں نے یہ جگہ منتخب کی ہے، اس پر حضرت حباب نے کہا کہ میری رائے میں یہ جگہ ناموزوں ہے، ہم کو آگے چل کر دشمن فوج کے قریب میں واقع چشمے کے پاس پڑاؤ ڈالنا چاہئے اور راستے کے تمام پانی کے گڈھے خراب کر دینے چاہئیں، اور اپنی قیام گاہ پر حوض بنا کر پانی سے بھر لینا چاہئے، پھر جنگ شروع کرنی چاہئے، تاکہ ہم کو پانی ملے اور دشمن پانی نہ پا سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تمہاری رائے بہت معقول ہے، چنانچہ اسی پر عمل ہوا اور فتح میں اس کا نمایاں اثر سامنے آیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۶۷)

مجلسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اظہار رائے کی آزادی کی جو فضا ہوتی تھی اس کا ایک مظہر یہ واقعہ ہے، اپنی رائے کے برخلاف دوسری رائے آنے پر بغیر اشتعال کے سنجیدگی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سنا اور اس کی معقولیت محسوس کر کے بلاتاخیر اپنی رائے بدل دی اور دوسرے کی رائے پر عمل فرمایا۔

(۲) غزوۂ حنین کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اقرع بن حابس اور حضرت عیینہ بن حصن کو دل بستگی کے طور پر سوسو اونٹ عطا فرمائے، خلافت صدیقی کے دور میں یہ دونوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور زمین مانگی، حضرت صدیق اکبر نے اسوۂ رسول کی پیروی میں انہیں زمین دے دی اور اس کی تحریر بھی ان کے مطالبے پر عطا کر دی، حضرت عمرؓ سے ان دونوں نے بتایا کہ خلیفہ نے ہمیں زمین دی ہے، تحریر دکھائی، حضرت عمر نے وہ تحریر پھاڑ دی، اور فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اونٹ اس لئے دیئے تھے کہ تم اسلام پر جمے رہو، مگر اب اللہ نے اسلام کو طاقت عطا کر دی ہے اور اسلام کو تم سے مستغنی کر دیا ہے، اب تم کو کچھ نہیں ملے گا، اسلام پر جمے رہو تو بہت اچھا ورنہ یہ تلوار تمہارا فیصلہ کر دے گی، یہ دونوں پھر حضرت صدیق اکبر کے پاس گئے واقعہ سنایا مگر حضرت ابوبکر نے غور کرنے کے بعد حضرت عمر کی رائے سے اتفاق فرمایا اور تمام صحابہ نے اسے تسلیم کیا۔ (تفسیر مظہری: ۴/ ۲۳۶)

مقام فکر یہ ہے کہ بظاہر اس واقعے میں خلیفۃ المسلمین پر شدید تنقید ہے مگر حضرت ابوبکر نے اسے ٹھنڈے دل سے گوارا کیا اور غور وفکر کے نتیجہ میں حضرت عمر کی رائے درست نظر آئی تو اسے قبول کرنے میں کوئی تأمل نہیں فرمایا۔

(۳) اظہارِ رائے کی آزادی کی حوصلہ افزائی کا روشن نمونہ حضرت عمر کا واقعہ ہے، مسجد نبوی میں دورانِ خطاب فرمایا کہ اگر تم میرے اندر کوئی کجی دیکھو گے تو کیا کرو گے؟ اس پر

ایک شخص نے اٹھ کر کہا: بخدا! اگر ہم نے آپ کے اندر کجی دیکھی تو ہم اسے تلوار سے سیدھا کردیں گے، اتنی سخت بات امیر المؤمنین نے سن کر کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے امت میں ایسے جیالے پیدا فرمائے جو عمر کی کجی تلوار سے سیدھی کردیں گے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تنقید واختلاف رائے کا استقبال کتنی خوش دلی سے کیا گیا، ناقد اگر بھلی بات کہہ رہا ہے تو اس کا نامناسب اور جارحانہ اسلوب اس قابل ہے کہ نظر انداز کردیا جائے، معاشرے کے بڑوں کو بطور خاص اس کا مصداق ہونا چاہئے۔

تنقید سے خفا، نہ ستائش پسند ہوں
یہ حوصلے ہیں پست، میں ان سے بلند ہوں

(۴) حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے ایک بار حضرت عثمان کے سامنے ان پر اپنی برتری کی تین وجوہ کا ذکر کیا: اول: بیعت الرضوان میں حضرت ابوعبیدہ شریک تھے اور حضرت عثمان نہیں، دوم: غزوۂ بدر میں ابوعبیدہ کی شرکت اور عثمان کی عدم شرکت۔ سوم: غزوۂ احد میں ابوعبیدہ کی ثابت قدمی اور عثمان کا عدم استقلال۔

یہ باتیں حضرت عثمان نے سکون سے سنیں اور فوراً اعتراف کیا کہ ابوعبیدہ! آپ سچ کہتے ہیں، آپ بلاشبہ افضل ہیں، پھر اپنا عذر یوں بیان کیا کہ بیعت الرضوان میں عدم شرکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھے مکہ بھیجنے کی بنا پر تھی، بدر میں حاضر نہ ہونا بحکم رسول مدینہ میرے قیام کی وجہ سے تھا اور احد میں ثابت قدم نہ رہنے کی لغزش قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے بیان کے مطابق اللہ نے معاف فرما دی ہے۔ (ملاحظہ ہو: عبقریات العقاد/ ۶۵۰)

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ سخت اور جارحانہ تنقید کو برداشت کرنا، اپنی کوتاہی تسلیم کرنا، مثبت اور سادہ اسلوب میں حقیقی صورتحال واضح کردینا۔ خواہ کتنا مشکل کام ہو...... اللہ کے نیک بندوں کا شعار رہا ہے، اور انسانی ترقی کی راہیں انہیں اوصافِ عالیہ کو اپنانے کے بعد

کھلتی ہیں۔

(۵) مدینہ منورہ میں ایک باندی بریرہ ایک غلام مغیث کی زوجیت میں تھیں، ایک مدت کے بعد بریرہ آزاد ہوگئیں، اب انہیں از روئے شرع سابق شوہر کے ساتھ رہنے یا علاحدہ ہوجانے کا اختیار مل گیا، انہوں نے علاحدگی کا فیصلہ کیا جو مغیث کے لئے بڑا المناک ثابت ہوا، وہ بریرہ سے علاحدہ نہ ہونے کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نفی کرتی رہیں، بالآخر معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا، آپ نے بھی بریرہ سے کہا کہ علاحدگی کا فیصلہ نہ کرو، اس پر بریرہ نے سوال کیا کہ کیا یہ آپ کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں سفارش ہے، بریرہ نے جواب دیا کہ مجھے مغیث کے ساتھ نہیں رہنا ہے۔ (بخاری)

آزادئ فکر کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے؟

(۶) ماضئ قریب میں حضرت شیخ الہند (جو تحریک خلافت کے سرگرم حامی تھے) اور حضرت تھانویؒ (جو تحریک خلافت کے سخت ناقد تھے اور حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے) کا واقعہ بڑا بصیرت افروز ہے، حضرت شیخ الہندؒ نے کبھی بھی حضرت تھانوی کی تنقید کا برا نہیں مانا، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

> حضرت کے قلب پر میرے اختلاف سے ذرہ برابر بھی گرانی نہ تھی، ایک مرتبہ تحریک خلافت کے زمانے میں حضرت کی بیٹھک میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے میرے متعلق برے بھلے الفاظ کہہ رہے تھے، کچھ الفاظ حضرت کے کانوں میں پڑ گئے، باہر تشریف لائے، بہت خفا ہوئے اور یہ فرمایا کہ خبردار، جو آئندہ ایسے الفاظ کبھی استعمال کئے، اور یہ فرمایا کہ میرے پاس کیا وحی آئی ہے کہ جو کچھ میں کررہا ہوں وہ سب ٹھیک ہے، میری بھی ایک رائے ہے اور اس کی بھی ایک رائے ہے، ہمیں تو اس پر فخر ہے کہ جو شخص تمام ہندوستان سے بھی متاثر نہ ہوا اور

کسی کی بھی پروانہ کی، وہ بھی ہماری جماعت سے ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت/۱۱۴)

اختلاف رائے کو برداشت کرنے اور اجتہادی معاملات میں اپنی ہی رائے کو حق سمجھنے پر اصرار سے بچنے کا واضح مظہر یہ واقعہ ہے۔

اظہارِ رائے کی آزادی بہت بڑی نعمت ہے، مگر وہ لامحدود نہیں بلکہ اس کی کچھ حدیں ہیں جن سے تجاوز سے منع کیا گیا ہے، اس کے آداب بھی ہیں جن کی رعایت ضروری ہے، فکری آزادی کو معروف ومعلوم اور مسلمہ حقائق کے دائرے میں رہنا چاہئے، مفروضات، قیاسات واوہام کی بنا پر رائے نہ متعین کی جائے، غیر ذمہ دارانہ باتوں سے گریز کیا جائے، تحقیق کے بعد رائے ظاہر کی جائے، سنی سنائی باتوں ہی پر اعتماد نہ کیا جائے، حق آزادئ رائے کو استعمال کرتے وقت تشدد اور جارحیت سے مکمل اجتناب کیا جائے، بیجا غلو نہ کیا جائے، حق کے سامنے شخصی، مسلکی، اور گروہی تعصّبات اور عقیدتوں کو کوئی اہمیت نہ دی جائے، حق کو سب سے برتر سمجھا جائے، اپنی رائے کے خلاف دلیل واضح ہوجانے کے بعد اپنی رائے سے رجوع کرلیا جائے، اختلاف رائے میں انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، اختلاف صرف اختلافی نکتہ تک محدود رکھا جائے اور اہانت اور ذاتیات پر حملے سے بچا جائے، اختلاف صرف بحث تک رہنا چاہئے، اسے دلوں کی کدورت تک نہ پہونچنے دیا جائے۔

سلف صالح کا اختلاف رائے اور حریت اظہار خیال دونوں ان حدود وآداب کے پابند رہتے تھے، ان کو نمونہ بنانے اور ان کی روشنی میں اپنا نہج متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں

● اسلام میں عفت وعصمت کا مقام

یہ کتاب عفت وعصمت کے موضوع پر انتہائی تفصیلی اور اہم پیش کش ہے، اپنے مندرجات کی جامعیت اور نصوص کی کثرت کی بنیاد پر اپنے موضوع پر اردو زبان میں انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، ملک و بیرونِ ملک کے اکابر علماء کے تأثرات وتقریظات سے آراستہ ہے۔ مختصر سے عرصہ میں اس کے پانچ ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں، یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ عوام وخواص، علماء وعوام، مرد وعورت سبھی اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

● بیانات سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کتاب موجودہ حالات میں سیرت نبویہ کے فکر انگیز پیغام اور گوشوں کو واضح کرنے والی مکمل، مدلل، مرتب، جامع اور موثر سیرت طیبہ سے متعلق چار مفصل بیانات پر مشتمل ہے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں حسن ترتیب کے ساتھ پوری سیرت کو اس کتاب میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے، عوام وخواص ہر ایک کے لئے یکساں طور پر افادیت کی حامل اور قابل مطالعہ ہے۔

● اسلام میں صبر کا مقام

یہ کتاب صبر کے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں جدید اسلوب میں قرآن وحدیث، آثار صحابہ کی روشنی میں صبر کے مقام، اس کی اہمیت اور ضرورت کے متعدد پہلوؤں کو کافی شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے، صبر وشکر کے تقابلی تجزیے پر مصنف نے بے حد قیمتی باتیں تحریر کی ہیں، دور حاضر کے ہر نوجوان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

● ترجمان الحدیث

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق کے متعلق ڈیڑھ سو صحیح ترین احادیث نبویہ کی مدلل اور عام فہم اسلوب میں عالمانہ تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ اپنے مواد کی علمیت اور افادیت کی وجہ سے اسے مساجد اور اجتماعی مجالس میں سنایا اور پڑھایا جائے۔

● اسلام کی سب سے جامع عبادت نماز

اس کتاب میں نماز کی اہمیت، اقسام وانواع، خشوع کی شرعی حیثیت، خشوع کے مختلف طریقوں کا ذکر قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ خشوع کے موضوع پر جو فاضلانہ اور عالمانہ مفصل ومدلل بحث کی گئی ہے وہ اردو دنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے، یہ کتاب ہر خاص وعام کے مطالعہ میں جگہ پانے کی اولین مستحق ہے۔

● اسلام اور زمانے کے چیلنج

موجود معاصر حالات کے تناظر میں مصنف کے اشہب قلم سے نکلی ہوئی پر سوز، پر درد اور واقعیت پسندی پر مبنی فکری تحریروں کا یہ مجموعہ موجودہ صورتِ حال میں ہر مسلمان کے لئے راہبر اور فکری غذا فراہم کرتا ہے، جو بات بھی لکھی گئی ہے باحوالہ اور نصوص کی روشنی میں ہے۔

● سیرتِ نبویہ قرآنِ مجید کے آئینے میں

یہ کتاب قرآن کی روشنی میں سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور روشن پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، قرآنی سیرت کے موضوع پر یہ اردو زبان میں پہلی باضابطہ کتاب ہے، جس میں سیرت طیبہ کو تاریخی ترتیب کے ساتھ قرآنی بیان کے آئینہ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اسلوبِ بیان بے حد پر کشش اور اچھوتا ہے۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

● عظمتِ عمر کے تابندہ نقوش

یہ کتاب عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی کی پر اثر تحریر "قصة حياة عمر" کی ترجمانی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے سے مزین ہے، کتاب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت وعبقریت کے نمایاں پہلو بہت دل نشیں اور ساحرانہ اسلوب میں اجاگر کئے گئے ہیں، سیرتِ عمر پر یہ کتاب عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔

● گناہوں کی معافی کے طریقے اور تدبیریں

یہ کتاب صحیح ترین احادیث نبویہ کی روشنی میں گناہوں کی معافی کے مختلف طریقوں کو محیط ہے، اس میں گنہ گاروں کو مایوسی سے بچنے کی تاکید اور توبہ کی تحریک اور عمل صالح کی ترغیب ملتی ہے، ہر مسلمان نوجوان کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● گلہائے رنگا رنگ

تین جلدوں پر مشتمل یہ وقیع کتاب قرآن وسنت کی انقلابی تعلیمات، اصلاحِ قلب ونفس ومعاشرہ، اسلام کے خلاف پھیلائے گئے مغالطوں اور شکوک وشبہات کی مکمل اور مدلل تردید کو محیط عام فہم اور دل نشیں اسلوب میں بیش قیمت اور فکر انگیز تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت جلد مقبول ہوا، اب دوسرا ایڈیشن زیر طباعت ہے۔

● مفکر اسلام؛ جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے

یہ کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات اور ان کی تابندہ زندگی کے روشن نقوش اور نمایاں امتیازات کی جامع اور مکمل تصویر کشی ہے۔ کتاب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے بیش قیمت مقدمات سے مزین ہے، متعدد اہل قلم کے تأثر کے مطابق مفکر اسلام کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنے مواد کی جامعیت، اسلوب کی دل کشی اور حسن بیان کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتی ہے۔

● علوم القرآن الکریم

یہ کتاب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی اردو تصنیف علوم القرآن کا عربی ترجمہ ہے۔ مترجم نے بہت سلیس اور شگفتہ عربی زبان میں کتاب کو اردو سے منتقل کیا ہے، شروع میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کا مقدمہ زینت کتاب ہے۔

● اسلام میں عبادت کا مقام

یہ کتاب عبادت کے موضوع پر انتہائی جامع اور محیط کتاب ہے، جس میں عبادت کے تمام پہلوؤں کا کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ عوام اور خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

● اسلام دین فطرت

یہ کتاب مذہب اسلام کے امتیازات اور اس کی انسانیت نواز تعلیمات کو واضح کرتی ہے، اس میں اسلام کی جامعیت، واقعیت، حقیقت پسندی، ربانیت، امن واسلامتی، اخوت ووحدت، مساوات واجتماعیت جیسے متعدد اہم گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر باذوق کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

● دیگر کتب:

اختر تاباں (تذکرہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ)
والد ماجد (تذکرہ حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحبؒ)
شیخ الہند: حیات، خدمات وامتیازات
مقام صحابہ اور غیر مقلدین
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن عناوین
سچ اور جھوٹ کتاب وسنت کی روشنی میں ایک جائزہ
اسلام کا جامع اور مؤثر ترین تعزیری نظام
کچھ یادیں کچھ باتیں (تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحبؒ)
اسلام اور دہشت گردی
بنیادی دینی اور تاریخی معلومات (اردو، ہندی)
منشیات اور شراب: اسباب ومحرکات، شرعی ہدایات، سدباب کی تدبیریں

● عربی کتب:

❍ وان المساجد للّٰہ ❍ لمعات من الاعجاز القرآني البديع
❍اصول المعاش الاسلامی فی ضوء نصوص الکتاب والسنة......
❍نظرة عابرة على القضاء والقضاة فی الاسلام ❍ بحوث علمية فقهية